DAMAGE BOOK

BROWEN BOOK ONLY



کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا — مرض تیرے نزدیک مُہلک ہیں کیا کیا
کہا دُکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا — کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اُس کو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گر اُن کو سُجھائیں — تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چُرائیں — یونہیں رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

یہی حال دُنیا میں اُس قوم کا ہے — بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے — گُماں ہے یہ ہردم کہ اب ڈوبتا ہے

نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے   فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے   چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

پر اس قوم غافل کی غفلت وہی ہے   تنزّل پہ اپنی قناعت وہی ہے
ملے خاک میں پر رعونت وہی ہے   ہوئی صبح اور خوابِ غفلت وہی ہے
نہ افسوس انھیں اپنی ذلّت پہ ہے کچھ
نہ رشک اپنی قوموں کی عزّت پہ ہے کچھ

بہائم کی اور ان کی حالت ہے یکساں   کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شاداں
نہ ذلّت سے نفرت نہ عزّت کا ارماں   نہ دوزخ سے ترساں نہ جنّت کے خواہاں
لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انھوں نے
کیا دینِ برحق کو بدنام انھوں نے

وہ دیں جس نے اعدا کو اخواں بنایا   وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوارِ دوراں بنایا   گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وہ خطّہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلّہ
گراں کر دیا اس کا عالم سے پلّہ

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا　　جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جُدا تھا　　نہ کشورستاں تھا نہ کشور کُشا تھا
تمدن کا اُس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور　　کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے سامان تھے واں میسّر　　کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں　　لوؤں کی لپٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں　　کھجوروں کے جُھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلّہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کُل کائنات اُس کی یہ تھی

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی　　نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبعِ بشر تھی　　خدا کی زمیں بن جُتی سر بسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا

کہیں آگ پُجتی تھی واں بے محابا　　کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا　　بُتوں کا عمل سُو بہ سُو جا بجا تھا

کرشموں کے راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دُنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا

ازل میں مشیّت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمۂ ہدا کا

وہ تیرتھ تھا اک بُت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بُت اک جُدا تھا
کسی کا ہُبَل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عُزّےٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سُلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی — صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی — تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

اسی طرح اک اور خوں ریز پیدا — عرب میں لقب حرب داحس ہے جس کا
رہا ایک مدت تک آپس میں برپا — بہا خون کا ہر طرف ایک دریا
سبب اس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے
کہ گھوڑ دوڑ میں جیت کی تھی کسی نے

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا — کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہیں روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہیں چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اسکو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوا اُن کے دن رات کی دل لگی تھی — شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی — غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح اُن کو گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھی بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت بڑھا جانبِ بو قبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحا

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت کہ طالع ہوا ماہ بُرجِ سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مُدت کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت

یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوےٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ

خطا کار سے درگذر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مِس خام کو جس نے کُندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اُسکی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

پڑی کان میں دھات تھی اِک نکمّی نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی
طبیعت میں جو اُسکے جوہر تھے اصلی ہوئے سب تھے مٹّی میں مل کر وہ مٹی
پہ تھا ثبت علمِ قضا و قدر میں
کہ بنجائے گی وہ طلا اِک نظر میں

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر تمام اہلِ مکّہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمانِ داور سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ "اے آلِ غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب"

کہا سب نے "قول آج تک کوئی تیرا کبھی ہم نے جھوٹا سُنا اور نہ دیکھا
کہا "گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا تو باور کروگے اگر میں کہوں گا
کہ فوجِ گراں پشتِ کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاکر

کہا "تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے"
کہا "گر مری بات یہ دلنشیں ہے تو سُن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے"

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنے والا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی　　عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی　　اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

سبق پھر شریعت کا اُن کو پڑھایا　　حقیقت کا گُر اُن کو اِک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا　　بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کُھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دئے ایک پردہ اُٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں　　بُھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانے میں تھا دورِ صُہبائے بُطلاں　　مئے حق سے محرم نہ تھی بزمِ دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خُمِ معرفت کا تھا مُنہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے　　نہ آگاہ تھے مُبدأ و مُنتہا سے
لگائی تھی اک اک نے لَو ماسوا سے　　پڑے تھے بہت دور بندے خُدا سے

یہ سُنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پُکارا

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق ۔ زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق ۔ اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اُسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم ۔ اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم ۔ اُسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں ۔ مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں ۔ نبی اور صدّیق مجبور ہیں واں

نہ پرسش ہے رُہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

نصاریٰ کے مانند دھوکا نہ کھانا ۔ کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رُتبہ نہ میرا بڑھانا ۔ بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ
اُسی طرح ہوں میں بھی اِک اُس کا بندہ

بنانا نہ تُربت کو میری صنم تم ۔ نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم ۔ کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اُس کا اور ایلچی بھی

اسی طرح دل اُن کا اک اک سے توڑا
ہر اک قبلۂ کج سے مُنہ اُن کا موڑا
کہیں ماسوا کا علاقہ نہ چھوڑا
خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا
کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیئے سر جُھکا اُن کے مالک کے آگے

پتا اصل مقصود کا پاگیا جب
نشاں گنج دولت کا ہاتھ آگیا جب
محبت سے دل اُن کا گرما گیا جب
سماں اُن پہ توحید کا چھا گیا جب
سکھائے معیشت کے آداب اُن کو
پڑھائے تمدن کے سب باب اُن کو

بتائی اُنھیں وقت کی قدر و قیمت
دلائی اُنھیں کام کی حرص و رغبت
کہا "چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت
ہوں فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمھارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گذارا

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مُہلت"

یہ کہہ کر کیا علم پر اُن کو شیدا — کہ "ہیں دور رحمت سے
مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا — ہے تعلیم ہی کا سدا جن میں چرچا
اُنھیں کے لیے یاں ہے نعمت خدا کی
اُنھیں پر ہے واں جا کے رحمت خدا کی

سکھائی اُنھیں نوعِ انساں پہ شفقت — کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت — شب و روز پہنچاتے ہیں اُسکو راحت
وہ جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر — نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گذر جائے سر پر — پڑے غم کا سایہ نہ اُس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

ڈرایا تعصب سے اُن کو یہ کہہ کر — کہ "زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر — وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اُس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اُس محبت کو بہرا
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا"

بچایا بُرائی سے اُن کو یہ کہہ کر — کہ "طاعت سے ترکِ معاصی ہے بہتر
تورع کا ہے ذات میں جن کی جوہر — نہ ہوں گے کبھی عابد اُن کے برابر

رہبرِ ما را

کرو ذکر اہلِ ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی — کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اُس سے اپنی پرائی — نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی
طلب سے ہے دنیا کی گر یاں یہ نیت
تو چمکو گے واں ماہِ کامل کی صورت"

امیروں کو تنبیہہ کی اس طرح پر — کہ "ہیں تم میں جو اغنیا اور تونگر
اگر اپنے طبقے میں ہوں سب سے بہتر — بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور
نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز
اُٹھاتے نہ ہوں بیدھڑک کام ہرگز

تو مردوں سے آسودہ تر ہے وہ طبقہ — زمانہ مبارک ملے جس کو ایسا
پہ جب اہلِ دولت ہوں اشرارِ دنیا — نہ ہو عیش میں جن کو اوروں کی پروا
نہیں اُس زمانہ میں کچھ خیر و برکت
اقامت سے بہتر ہے اُس وقت رحلت"

دئے پھیر دل اُن کے مکر و ریا سے — بھرا اُن کے سینہ کو صدق و صفا سے
بچایا اُنھیں کذب سے افترا سے — کیا سرخرو خلق سے اور خدا سے
رہا قولِ حق میں نہ کچھ باک اُن کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک اُن کو

(حالیؔ)

کہیں حفظ و صحت کے آئیں سکھائے　　سفر کے کہیں شوق اُن کو دلائے
مفاد اُن کو سوداگری کے سجھائے　　اُصول اُن کو فرماں دہی کے بتائے
نشاں راہ و منزل کا اِک اِک دکھایا
بنی نوع کا اُن کو رہبر بنایا

ہوئی ایسی عادت پہ تعلیم غالب　　کہ باطل کے شیدا ہوئے حق کے طالب
مناقب سے بدلے گئے سب مثالب　　ہوئے روح سے بہرہ ور ان کے قالب
جسے راج رد کر چکے تھے وہ پتھر
ہوا جا کے آخر کو قائم سرے پر

جو اُمت کو سب مل چکی حق کی نعمت　　ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت　　نبیؐ نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اِک قوم چھوڑی
کہ دُنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے　　سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے　　یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہے کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے　　کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے　　خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف اُن میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار اُس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

یہ تھی موج پہلی اُس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغِ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلّف کی کلفت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت

لگایا تھا مالی نے اِک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے اُمت کے ایسے نگہباں
ہو گلّہ کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذمّی و مسلم کو یکساں
نہ تھا عبد و حُر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

نہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ اُن کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت   سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت
بچی اور تُلی دشمنی اور محبت   نہ بے وجہ اُلفت نہ بے وجہ نفرت
جُھکا حق سے جو جُھک گئے اُس سے وہ بھی
رُکا حق سے جو رُک گئے اُس سے وہ بھی

ترقی کا جس دم خیال اُن کو آیا   اِک اندھیر تھا رُبع مسکوں میں چھایا
ہر اک قوم پر تھا تنزّل کا سایا   بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا
وہ نیشن جو ہیں آج گردوں کے تارے
دُھندلکے میں پستی کے پنہاں تھے سارے

نہ وہ دَور دَورہ تھا عبرانیوں کا   نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا
پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا   پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا
جہاز اہل روما کا تھا ڈگمگاتا
چراغ اہل ایراں کا تھا ٹمٹماتا

اِدھر ہند میں ہر طرف تھا اندھیرا   کہ تھا گیان گُن کا لدایاں سے ڈیرا
اُدھر تھا عجم کو جہالت نے گھیرا   کہ دل سب نے کیش و کنش سے تھا پھیرا
نہ بھگوان کا دھیان تھا گیانیوں میں
نہ یزداں پرستی تھی یزدانیوں میں

ہوا ہر طرف موجزن تھی بلا کی   گلوں پر چُھری چل رہی تھی جفا کی
عقوبت کی حد تھی نہ پرسش خطا کی   پڑی لُٹ رہی تھی ودیعت خدا کی

دکھ ۔ تکلیف

زمیں پر تھا ابرِ ستم کا دڑیڑا
تباہی میں تھا نوعِ انساں کا بیڑا
وہ قومیں جو ہیں آج غمخوار انساں درندوں کی اور اُنکی طینت تھی یکساں
جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں بہت دور پہنچا تھا واں ظلم و طغیاں
بنے آج جو گلہ باں ہیں ہمارے
وہ تھے بھیڑئے آدمی خوار سارے

ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب جہاں عقل و دانش کا بیوپار ہے اب
جہاں ابرِ رحمت گہر بار ہے اب جہاں حسن برستا لگاتار ہے اب
تمدن کا پیدا نہ تھا واں نشاں تک
سمندر کی آئی نہ تھی موج واں تک

نہ رستہ ترقی کا کوئی کھلا تھا نہ زینہ بلندی پہ کوئی لگا تھا
وہ صحرا انھیں قطع کرنا پڑا تھا جہاں نقشِ پا تھا نہ تنور دُرا تھا
جو نہیں کان میں حق کی آواز آئی
لگا کرنے خود اُن کا دل رہنمائی

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اُٹھی پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اُس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا اُمّیوں نے جہاں میں اُجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانے میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتشکدوں میں لگی خاک سی اُڑنے سب معبدوں میں
ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر

لئے علم و فن اُن سے نصرانیوں نے کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب اُن سے سیکھا صفاہانیوں نے کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دُنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا فلاطوں کو پھر زندہ کر کے دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا مزہ علم و حکمت کا سب کو چکھایا
کیا برطرف پردہ چشمِ جہاں سے
جگایا زمانے کو خوابِ گراں سے

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر گرہ میں لیا باندھ حکمِ پیمبر

کہ "حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو"

ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہور دُنیا ہوئے وہ فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ

ہر اک مُلک میں اُن کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت

مہیّا کیے سب کی راحت کے ساماں کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں
اُنھیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں

بہار اب جو دُنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود اُنھیں کی لگائی ہوئی ہے

دو طرفہ برابر درختوں کا سایا یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفّا
سرِ رہ کنوئیں اور سرائیں مہیّا نشاں جا بجا میل و فرسنگ کے برپا

اُنھیں کے ہیں سب نے یہ چربے اُتارے
اُسی قافلہ کے نشاں ہیں یہ سارے

ہر اک بر اعظم میں اُن کا گذر تھا سدا اُن کو مرغوب سیر و سفر تھا
جو لنکا میں ڈیرا تو بربر میں گھر تھا تمام اُن کا چھانا ہوا بحر و بر تھا

وہ گنتے تھے یکساں وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

جہاں کو ہے یاد اُن کی رفتار اب تک
کہ نقشِ قدم ہیں نمودار اب تک
ملایا میں ہیں اُن کے آثار اب تک
اُنھیں رو رہا ہے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات اُن کے ازبر
نشاں اُن کے باقی ہیں جبرالٹر پر

نہیں اِس طبق پر کوئی برّ اعظم
نہ ہوں جس میں اُن کی عمارات محکم
عرب۔ ہند۔ مصر۔ اندلس۔ شام۔ دَیلم
بناؤں سے ہے اُن کی معمور عالم
سرِ کوہ آدم سے تا کوہ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے اُن کا

وہ سنگیں محل اور وہ اُن کی صفائی
جمی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کے گنبد تھے جن کے طلائی
وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانے نے گو اُن کی برکت اُٹھالی
نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی

ہوا اندلس اُن سے گلزار یکسر
جہاں اُن کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر
یہ ہے بیت حمرا کی گویا زباں پر
کہ تھے آلِ عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

ہویدا ہے غرناطہ سے شوکت اُن کی
عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت اُن کی
بطلیوس کو یاد ہے عظمت اُن کی
ٹپکتی ہے قادس میں سر حسرت اُن کی

نصیب اُن کا اشبیلیہ میں ہے سوتا
شب و روز ہے قرطبہ اُن کو روتا
کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے
مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے
وہ اُجڑا ہوا کرّ و فر جا کے دیکھے
جلال اُن کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کُندن دمکتا
وہ بلدہ کہ فخرِ بلادِ جہاں تھا
تر و خشک پر جس کا سکّہ رواں تھا
گڑا جس میں عبّاسیوں کا نشاں تھا
عراقِ عرب جس سے رشکِ جناں تھا
اُڑے لے گئی بادِ پندار جس کو
بہا لے گئی سیلِ تاتار جس کو
سُنے گوشِ عبرت سے گر جا کے انساں
تو واں ذرّہ ذرّہ یہ کرتا ہے اعلاں
کہ تھا جن دنوں مہرِ اسلام تاباں
ہوا یاں کی تھی زندگی بخش دوراں
پڑی خاک ایتھنز میں جاں یہیں سے
ہوا زندہ پھر نام یوناں یہیں سے
وہ لقمان و سُقراط کے دُرِّ مکنوں
وہ اسرارِ بُقراط و درسِ فلاطوں
ارسطو کی تعلیم سولن کے قانوں
پڑے تھے کسی قبرِ کُہنہ میں مدفوں
یہیں آ کے مُہرِ سکوت اُن کی ٹوٹی
اسی باغِ رعنا سے بو اُن کی پھوٹی

یہ تھا علم پر واں توجہ کا عالم　　کہ ہو جیسے مجروح جویائے مرہم
کسی طرح پیاس اُن کی ہوتی نہ تھی کم　　بجھاتا تھا آگ اُن کی بارانِ شبنم
حریمِ خلافت میں اونٹوں پہ لد کر
چلے آتے تھے مصر و یوناں کے دفتر

وہ تارے جو تھے شرق میں لمعہ افگن　　پہ تھا اُن کی کرنوں سے تا غرب روشن
نوشتوں سے ہیں جنکے اب تک مزین　　کتب خانۂ پیرس و روم و لنڈن
پڑا غلغلہ جن کا تھا کشوروں میں
وہ سوتے ہیں بغداد کے مقبروں میں

وہ سنجار کا اور کوفہ کا میداں　　فراہم ہوئے جس میں مساح دوراں
کرہ کی مساحت کے پھیلائے ساماں　　ہوئی جزو سے قدر کل کی نمایاں
زمانہ وہاں آج تک نوحہ گر ہے
کہ عباسیوں کی سبھا وہ کدھر ہے

سمرقند سے اندلس تک سراسر　　اُنھیں کی رصدگاہیں تھیں جلوہ گستر
سوادِ مراغہ میں اور قاسیوں پر　　زمیں سے صدا آ رہی ہے برابر
کہ جن کی رصد کے یہ باقی نشاں ہیں
وہ اسلامیوں کے منجم کہاں ہیں

مورخ ہیں جو آج تحقیق والے　　تفحص کے ہیں جن کے آئیں نرالے
جنھوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے　　زمیں کے طبق سربسر چھان ڈالے

کہ "حکمت کو اک گمشدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو"

ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ — ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہور دُنیا ہوئے وہ — فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ

ہر اک مُلک میں اُن کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت

مہیا کیے سب کی راحت کے ساماں — کیا جا کے آباد ہر مُلک ویراں
اُنھیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں — خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں

بہار اب جو دُنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پَود اُنھیں کی لگائی ہوئی ہے

دو طرفہ برابر درختوں کا سایا — یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مُصفّا
سرِ رہ کنوئیں اور سرائیں مہیّا — نشاں جا بجا میل و فرسخ کے برپا

اُنھیں کے ہیں سب نے یہ چربے اُتارے
اُسی قافلہ کے نشاں ہیں یہ سارے

ہر اک بر اعظم میں اُن کا گذر تھا — سدا اُن کو مرغوب سیر و سفر تھا
جو لنکا میں ڈیرا تو بربر میں گھر تھا — تمام اُن کا چھانا ہوا بحر و بر تھا

وہ گنتے تھے یکساں وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر   گواہ اُن کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا اُن کا احساں یہ اک اہلِ دیں پر   وہ تھے اس میں ہر قوم و ملّت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے
بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

فصاحت کے دفتر تھے سب گاؤ خوردہ   بلاغت کے رستے تھے سب ناسپردہ
اُدھر روم کی شمع انشا تھی مردہ   اِدھر آتشِ پارسی تھی فسردہ
یکایک جو برق آ کے چمکی عرب کی
کھُلی کی کھُلی رہ گئی آنکھ سب کی

عرب کی جو دیکھی وہ آتش زبانی   سُنی برمحل اُن کی شیوا بیانی
وہ اشعار کی دل میں ریشہ دوانی   وہ خطبوں کے مانند دریا روانی
وہ جادو کے جملے وہ فقرے فسوں کے
تو سمجھے کہ گویا ہم اب تک تھے گونگے

سلیقہ کسی کو نہ تھا مدح و ذم کا   نہ ڈھب یاد تھا شرح شادی و غم کا
نہ اندازِ تلقین وعظ و حِکم کا   خزانہ تھا مدفون زباں اور قلم کا
نوا سنجیاں اُن سے سیکھی ہیں سب نے
زباں کھول دی سب کی نطقِ عرب نے

زمانہ میں پھیلی طب اُن کی بدولت   ہوئی بہرہ ور جس سے ہر قوم و ملّت
نہ صرف ایک مشرق میں تھی اُنکی شہرت   مسلّم تھی مغرب تک اُن کی حذاقت

سلرنو میں جو ایک نامی مطب تھا
وہ مغرب میں عطّار مُشکِ عرب تھا

ابو بکر رازی ۔ علی ابن عیسیٰ — حکیمِ گرامی حسین ابن سینا
حنین ابن اسحٰق قسیس دانا — ضیاء ابن بیطار اِس الاطبّا

اُنھیں کے ہیں مشرق میں سب نام لیوا
اُنھیں سے ہوا پار مغرب کا کھیوا

غرض فن ہیں جو مایۂ دین و دولت — طبیعی، الٰہی، ریاضی و حکمت
طب اور کیمیا ہندسہ اور ہیئت — سیاحت تجارت عمارت فلاحت

لگاؤ گے کھوج اُن کا جاکر جہاں تم
نشاں اُن کے قدموں کے پاؤ گے واں تم

ہوا گو کہ پامال بُستاں عرب کا — مگر اک جہاں ہے غزلخواں عرب کا
ہرا کر گیا سب کو باراں عرب کا — سپید و سیہ پر ہے احساں عرب کا

وہ قومیں جو ہیں آج سرتاج سب کی
کنوڑی رہیں گی ہمیشہ عرب کی

رہے جب تک ارکان اسلام برپا — چلن اہل دیں کا رہا سیدھا سادا
رہا میل سے شہد صافی مصفّا — رہی کھوٹ سے سیم خالص مبرّا

نہ تھا کوئی اسلام کا مرد میداں
علَم ایک تھا شش جہت میں دُرافشاں

پہ گدلا ہوا جب کہ چشمہ صفا کا　　گیا چھوٹ سر رشتۂ دینِ ہدیٰ کا
رہا سر پہ باقی نہ سایہ ہما کا　　تو پورا ہوا عہد تھا جو خدا کا
کہ ”ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک
وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک“

بُرے اُن پہ وقت آکے پڑنے لگے اب　　وہ دُنیا میں بس کر اُجڑنے لگے اب
بھرے اُن کے میلے بچھڑنے لگے اب　　بنے تھے وہ جیسے بگڑنے لگے اب
ہری کھیتیاں جل گئیں لہلہا کر
گھٹا کھُل گئی سارے عالم پہ چھا کر

نہ ثروت رہی اُن کی قائم نہ عزت　　گئے چھوڑ ساتھ اُن کا اقبال و دولت
ہوئے علم و فن اُن سے ایک ایک رخصت　　مٹیں خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت
رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا　　کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دنیا
چڑھے اُس پہ پھر اک خردمند دانا　　کہ قدرت کے میداں کا دیکھے تماشا
تو قوموں میں فرق اس قدر پائے گا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ

وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چمن واں　　بہت تازہ تر صورتِ باغِ جناں
بہت اُن سے کمتر پہ سرسبز و خنداں　　بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں

نہیں لائے گو برگ و بار اُن کے پودے
نظر آتے ہیں ہونہار اُن کے پودے
پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر
جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے رُوکھ جس کے جلانے کے قابل
جہاں آگ کا کام کرتا ہے باراں
جہاں آکے دیتا ہے رو ابرِ نیساں
تر و تازہ جو اور ہوتا ہے ویراں
نہیں راس جس کو خزاں اور بہاراں
یہ آوازِ پیہم وہاں آ رہی ہے
کہ اسلام کا باغ ویراں یہی ہے
وہ دینِ حجازی کا بیباک بیڑا
نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا
مزاحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا
نہ عماں میں ٹھٹکا نہ قلزم میں جھجکا
کئے پے سپر جس نے ساتوں سمندر
وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آکر
اگر کان دھر کے سنیں اہلِ عبرت
تو سیلون سے تا بہ کشمیر و تبت
زمیں رُوکھ بن پھول پھل ریت پربت
یہ فریاد سب کر رہے ہیں بحسرت
کہ کل فخر تھا جس سے اہلِ جہاں کو
لگا اُن سے عیب آج ہندوستاں کو

حکومت نے تم سے کیا گر کنارا — تو اُس میں نہ تھا کچھ تمھارا اجارا
زمانہ کی گردش سے ہے کسکو چارا — کبھی یاں سکندر کبھی یاں ہے دارا

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی
جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی

ہوئی مقتضی جب کہ حکمت خدا کی — کہ تعلیم جاری ہو خیر الوریٰ کی
پڑے دھوم عالم میں دینِ ہدیٰ کی — تو عالم کی تم کو حکومت عطا کی

کہ پھیلاؤ دنیا میں حکمِ شریعت
کرو ختم بندوں پہ مالک کی حجّت

ادا کر چکی جب حق اپنا حکومت — رہی اب نہ اسلام کو اُس کی حاجت
مگر حیف اے فخرِ آدم کی اُمّت — ہوئی آدمیت بھی ساتھ اُسکے رخصت

حکومت تھی گویا کہ اِک جھول تم پر
کہ اُٹھتے ہی اُس کے نکل آئے جوہر

زمانہ میں ہیں ایسی قومیں بہت سی — نہیں جن میں تخصیص فرماندہی کی
پر آفت کہیں ایسی آئی نہ ہوگی — کہ گھر گھر پہ یاں چھا گئی آ کے پستی

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا — ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا — وہ اُمّت لقب جس کا خیر الاُمم تھا

نشاں اُس کا باقی ہے صرف اسقدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو میں ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو میں طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں
نہیں کوئی ذرّہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسی میں تو ہے اتفاقی

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نام آبا کو ہم سے گہن ہے ہمارا قدم ننگ اہلِ وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت نہ اپنوں سے اُلفت نہ غیروں سے ملّت
مزاجوں میں سُستی دماغوں میں نخوت خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت
عداوت نہاں دوستی آشکارا
غرض کی تواضع غرض کی مدارا

نہ اہل حکومت کے ہمراز ہیں ہم نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایان اعزاز ہیں ہم نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصّہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزل نے کی ہے بُری گت ہماری ۔ بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دُنیا سے عزت ہماری ۔ نہیں کچھ اُبھرنے کی صورت ہماری
پڑے ہیں اِک اُمید کے ہم سہارے
توقع پہ جیتے ہیں جنت کے سارے

سیاحت کی گوں ہے نہ مردِ سفر ہیں ۔ خُدا کی خدائی سے ہم بے خبر ہیں
یہ دیواریں گھر کی جو پیشِ نظر ہیں ۔ یہی اپنے نزدیک حدِ بصر ہیں
ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم
وہی اُن کی دنیا وہی اُن کا عالم

بہشت اور ارم سلسبیل اور کوثر ۔ پہاڑ اور جنگل جزیرے سمندر
اِسی طرح کے اور بھی نام اکثر ۔ کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں برابر
پہ جب تک نہ دیکھیں کہیں کس یقیں پر
کہ یہ آسماں پر ہیں یا ہیں زمیں پر

وہ بے مول پونجی کہ ہے اصل دولت ۔ وہ شائستہ ملکوں کا گنجِ سعادت
وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت ۔ وہ دولت کہ ہے وقت جس سے عبارت
نہیں اُس کی وقعت نظر میں ہماری
یونہیں مفت جاتی ہے برباد ساری

اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا ۔ تو ہوگا کم و بیش بار اُس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دُنیا ۔ کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا

نہیں کرتے غفلت اڑانے میں اُس کے
بہت ہم سخی ہیں لُٹانے میں اُس کے

اگر سانس دن رات کی سب گنیں ہم
تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم
کہ ہو جن میں کل کے لئے کچھ فراہم
یونہیں گذرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں
کہ یہ سانس آخر ہے اب کوئی دم میں

گڈریے کا وہ حکم بردار کُتا
کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے رکھوال کرتا
جو ریوڑ میں ہوتا ہے پتے کا کھڑکا
تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا
گر انصاف کیجے تو ہے ہم سے بہتر
کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر

وہ قومیں جو سب راہیں طے کر چکی ہیں
ذخیرے ہر اک جنس کے بھر چکی ہیں
ہر اک بوجھ بار اپنے سر دھر چکی ہیں
ہوئی تب ہیں زندہ کہ جب مر چکی ہیں
اِسی طرح راہِ طلب میں ہیں پویا
بہت دور ابھی اُن کو جانا ہے گویا

کسی وقت جی بھر کے سوتے نہیں وہ
کبھی سیر محنت سے ہوتے نہیں وہ
بضاعت کو اپنی ڈبوتے نہیں وہ
کوئی لمحہ بیکار کھوتے نہیں وہ
نہ چلنے سے تھکتے نہ اُکتاتے ہیں وہ
بہت بڑھ گئے اور بڑھے جاتے ہیں وہ

مگر ہم کہ اب تک جہاں تھے وہیں ہیں　　جمادات کی طرح بارِ زمیں ہیں
جہاں میں ہیں ایسے کہ گویا نہیں ہیں　　زمانہ سے کچھ ایسے فارغ نشیں ہیں

کہ گویا ضروری تھا جو کام کرنا
وہ سب کر چکے ایک باقی ہے مرنا

یہاں اور ہیں جتنی قومیں گرامی　　خود اقبال ہے آج اُن کا سلامی
تجارت میں ممتاز دولت میں نامی　　زمانہ کے ساتھی ترقی کے حامی

نہ فارغ ہیں اولاد کی تربیت سے
نہ بے فکر ہیں قوم کی تقویت سے

دُکاں اُن کی ہے اور بازار اُن کا　　بنج اُن کا ہے اور بیوہار اُن کا
زمانہ میں پھیلا ہے بیوپار اُن کا　　ہے پیر و جواں برسرِ کار اُن کا

مدار اہلکاری کا ہے اب اُنھیں پر
اُنھیں کے ہیں آفس اُنھیں کے ہیں دفتر

معزز ہیں ہر ایک دربار میں وہ　　گرامی ہیں ہر ایک سرکار میں وہ
نہ رسوا ہیں عادات و اطوار میں وہ　　نہ بدنام گفتار و کردار میں وہ

نہ پیشہ سے حرفہ سے انکار اُن کو
نہ محنت مشقّت سے کچھ عار اُن کو

طبیعت میں اک اک کی ہے خاکساری　　بُرا سُن کے کرتے ہیں وہ بُرد باری
تواضع ہے سب کی رگ و پے میں ساری　　دماغ اُن کے ہیں کبر و نخوت سے عاری

نہ باتوں میں اُن کی حقارت کسی کی
نہ جلسوں میں اُن کی مذمت کسی کی

جو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ — پڑے زد تو بچ کر نکل جاتے ہیں وہ
ہر اک سانچے میں جا کے ڈھل جاتے ہیں وہ — جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں وہ
ہر اک وقت کا مقتضا جانتے ہیں
زمانے کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مگر ہے ہماری نظر اتنی اونچی — کہ یکساں ہے یاں سب بلندی و پستی
نہیں اب تک اصلاً خبر ہم کو یہ بھی — کہ ہے کون مُردار کُتیا ترقی
جدھر کھول کر آنکھ ہم دیکھتے ہیں
زمانے کو اپنے سے کم دیکھتے ہیں

زمانہ کا دن رات ہے یہ اشارا — کہ ہے آشتی میں مری یاں گزارا
نہیں پیروی جن کو میری گوارا — مجھے اُن سے کرنا پڑے گا کنارا
سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

چمن میں ہوا آچکی ہے خزاں کی — پھری ہے نظر دیر سے باغباں کی
صدا اور ہے بُلبلِ نغمہ خواں کی — کوئی دم میں رحلت ہے اب گلستاں کی
تباہی کے خواب آ رہے ہیں نظر سب
مصیبت کی ہے آنے والی سحر اب

فلاکت جسے کہیے اُمّ الجرائم — نہیں رہتے ایماں پہ دل جس سے قائم
بناتی ہے انساں کو جو بہائم — مصلّی ہیں دلجمع جس سے نہ صائم
وہ یوں اہلِ اسلام پر چھا رہی ہے
کہ مسلم کی گویا نشانی یہی ہے

کہیں مکر کے گُر سکھاتی ہے ہم کو — کہیں جھوٹ کی لَو لگاتی ہے ہم کو
خیانت کی چالیں سُجھاتی ہے ہم کو — خوشامد کی گھاتیں بتاتی ہے ہم کو
فسوں جب یہ باقی نہیں کارگر وہ
تو کرتی ہے آخر کو دریوزہ گر وہ

یہاں جتنی قومیں ہمارے سوا ہیں — ہزار اُن میں خوش ہیں تو دو بےنوا ہیں
یہاں لاکھ میں دو اگر اغنیا ہیں — تو سو نیم بسمل ہیں باقی گدا ہیں
ذرا کام غیرت کو فرمائیں گر ہم
تو سمجھیں کہ ہیں مبتذل کس قدر ہم

بگاڑے ہیں گردش نے جو خاندانی — نہیں جانتے بس کہ روٹی کمانی
دلوں میں ہے یہ یک قلم سب نے ٹھانی — کہ کیجے بسر مانگ کر زندگانی
جہاں قدر دانوں کا ہیں کھوج پاتے
پہنچتے ہیں واں مانگتے اور کھاتے

کہیں باپ دادا کا ہیں نام لیتے — کہیں روشناسی سے ہیں کام لیتے
کہیں جھوٹے وعدوں پہ ہیں دام لیتے — یونہیں ہیں وہ دیدیکے دم دام لیتے

بزرگوں کے نازاں ہیں جس نام پر وہ
اُسے بیچتے پھرتے ہیں در بدر وہ
یہ ہیں ڈھنگ اُن تازہ آفت زدوں کے
بہت کم زمانہ ہوا جن کو بگڑے
ابھی ایک عالم ہے آگاہ جن سے
کہ ہیں کس کے بیٹے وہ اور کس کے پوتے
جنھیں دیس پردیس سب جانتے ہیں
حسب اور نسب جن کا پہچانتے ہیں
مگر مٹ چکا جن کا نام و نشاں ہے
پرانی ہوئی جن کی اب داستاں ہے
فسانوں میں قصّوں میں جن کا بیاں ہے
بہت نسل پر تنگ اُن کی جہاں ہے
نہیں اُن کی قدر اور پرسش کہیں اب
اُنھیں بھیک تک کوئی دیتا نہیں اب
بہت آگ چلموں کی سلگانے والے
بہت گھانس کی گٹھریاں لانے والے
بہت دربدر مانگ کر کھانے والے
بہت فاقہ کر کر کے مر جانے والے
جو پوچھو کہ کس کان کے ہیں وہ جوہر
تو نکلیں گے نسل ملوک اُن میں اکثر
انھیں کے بزرگ ایک دن حکمراں تھے
انھیں کے پرستار پیر و جواں تھے
یہی مامنِ عاجز و ناتواں تھے
یہی مرجعِ دیلم و اصفہاں تھے
یہی کرتے تھے ملک کی گلّہ بانی
انھیں کے گھروں میں تھی صاحبقرانی

یہ اے قوم اسلام عبرت کی جا ہے — کہ شاہوں کی اولاد در در گدا ہے
جسے سُنیئے افلاس میں مبتلا ہے — جسے دیکھیئے مفلس و بینوا ہے
نہیں کوئی ان میں کمانے کے قابل
اگر ہیں تو ہیں مانگ کھانے کے قابل

نہیں مانگنے کا طریق ایک ہی یاں — گدائی کی ہیں صورتیں نت نئی یاں
نہیں حصر کنگلوں پہ گدیہ گری یاں — کوئی دے تو منگتوں کی ہے کیا کمی یاں
بہت ہاتھ پھیلائے زیر ردا ہیں
چھپے اُجلے کپڑوں میں اکثر گدا ہیں

بہت آپ کو کہہ کے مسجد کے بانی — بہت بن کے خود سید خاندانی
بہت سیکھ کر نوحہ و سوز خوانی — بہت مدح میں کر کے رنگیں بیانی
بہت آستانوں کے خدام بن کر
پڑے مانگتے کھاتے پھرتے ہیں در در

مشقت کو محنت کو جو عار سمجھیں — ہنر اور پیشہ کو جو خوار سمجھیں
تجارت کو کھیتی کو دشوار سمجھیں — فرنگی پیسے کو مُردار سمجھیں
تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی
وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی

کریں نوکری بھی تو بے عزتی کی — جو روٹی کمائیں تو بے حرمتی کی
کہیں پائیں خدمت تو بے غیرتی کی — قسم کھائیے اُن کی خوش قسمتی کی

امیروں کے بنتے ہیں جب یہ مصاحب
تو جاتے ہیں ہو کر حمیّت سے تائب

کہیں اُن کی صحبت میں گانا بجانا　　کہیں مسخرہ بن کے ہنسنا ہنسانا
کہیں پھبتیاں کہہ کے انعام پانا　　کہیں چھیڑ کر گالیاں سب سے کھانا

یہ کام اور بھی کرتے ہیں پر نہ ایسے
مسلمان بھائی سے بن آئیں جیسے

امیروں کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہے　　خمیر اُن کا اور اُن کی طینت جُدا ہے
سزاوار ہے اُن کو جو ناسزا ہے　　روا ہے انھیں سب کو جو ناروا ہے

شریعت ہوئی ہے نکو نام اُن سے
بہت فخر کرتا ہے اِسلام اُن سے

ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہے　　ہر اک بات پر واں دُرست اور بجا ہے
نہ گفتار میں اُن کے کوئی خطا ہے　　نہ کردار اُن کا کوئی ناسزا ہے

وہ جو کچھ کہ ہیں کہہ سکے کون اُن کو
بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو

وہ دولت کہ ہے مایۂ دین و دُنیا　　وہ دولت کہ ہے توشۂ راہِ عقبیٰ
سلیمانؑ نے کی جس کی حق سے تمنّا　　بڑھا جس سے آفاق میں نام کسریٰ

کیا جس نے حاتم کو مشہورِ دوراں
کیا جس نے یوسفؑ کو مسجودِ اخواں

ملا ہے یہ فخر اُس کو اُن کی بدولت کہ سمجھی گئی ہے وہ اصل شقاوت
کہیں ہے وہ سرمایۂ جہل و غفلت کہیں نشۂ بادۂ کبر و نخوت
جہاں کے لئے جو کہ آبِ بقا ہے
وہ اِس قوم کے حق میں سمّ ہوا ہے

اِدھر مال و دولت نے یاں مُنہ دکھایا اُدھر ساتھ ساتھ اُس کے ادبار آیا
پڑا آ کے جس گھر پہ ثروت کا سایا عمل واں سے برکت نے اپنا اُٹھایا
نہیں راس یاں چار پیسے کسی کو
مبارک نہیں جیسے پر چیونٹیوں کو

سمجھتے ہیں سب عیب جن عادتوں کو بہائم سے نسبت ہے جن سیرتوں کو
چھپاتے ہیں اوباش جن خصلتوں کو نہیں کرتے اِجلاف جن حرکتوں کو
وہ یاں اہلِ دولت کو ہیں شیرِ مادر
نہ خوفِ خدا ہے نہ شرمِ پیمبرؐ

طبیعت اگر لہو و بازی پہ آئی تو دولت بہت سی اسی میں لٹائی
جو کی حضرتِ عشق نے رہنمائی تو کر دی بھرے گھر کی دم میں صفائی
پھر آخر لگے مانگنے اور کھانے
یونہیں مٹ گئے یاں ہزاروں گھرانے

نہ آغاز پر اپنے غور اُن کو اصلا نہ انجام کا اپنے کچھ اُن کو کھٹکا
نہ فکر اُن کو اولاد کی تربیت کا نہ کچھ ذلتِ قوم کی اُن کو پروا

نہ حق کوئی دُنیا پہ اُن کا نہ دیں پر
خدا کو وہ کیا مُنہ دکھائیں گے جا کر

کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر — تو ہوتے ہیں مَسخ اُن میں پہلے تواَنگر
کمال اُن میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر — نہ عقل اُن کی ہادی نہ دین اُن کا رہبر
نہ دُنیا میں ذلّت نہ عزّت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنّت کی پروا

نہ مظلوم کی آہ و زاری سے ڈرنا — نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گزرنا — تعیّش میں جینا نمائش پہ مرنا
سدا خوابِ غفلت میں بیہوش رہنا
دمِ نزع تک خود فراموش رہنا

پریشاں اگر قحط سے اک جہاں ہے — تو بےفکر ہیں کیونکہ گھر میں سماں ہے
اگر باغِ اُمّت میں فصلِ خزاں ہے — تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گلفشاں ہے
بنی نوعِ انساں کا حق اُن پہ کیا ہے
وہ اِک نوع نوعِ بشر سے جُدا ہے

کہاں بندگانِ ذلیل اور کہاں وہ — بسر کرتے ہیں بےغمِ قوت، وناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ — مکاں رکھتے ہیں رشکِ خُلدِ جناں وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر
نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

کمر بستہ ہیں لوگ خدمت میں اُن کی   گل و لالہ رہتے ہیں صحبت میں اُن کی
نفاست بھری ہے طبیعت میں اُن کی   نزاکت سو داخل ہے عادت میں اُن کی
دواؤں میں مشک اُنکے اُٹھتا ہے ڈھیروں
وہ پوشاک میں عطر ملتے ہیں سیروں

یہ ہو سکتے ہیں اُن کے ہمجنس کیونکر   نہیں چین جن کو زمانے سے دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر   نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر اُلٹی تو تقدیر کھوٹی

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا   کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا   خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

عمل جس کا تھا اس کلامِ متیں پر   وہ سرسبز ہیں آج روئے زمیں پر
تفوق ہے اُن کو کمین و مہیں پر   مدار آدمیت کا ہے اب انھیں پر
شریعت کے ہم نے جو پیمان توڑے
وہ لیجاکے سب اہل مغرب نے جوڑے

سمجھتے ہیں گمراہ جن کو مسلماں   نہیں جن کو عقبیٰ میں امید غفراں
نہ حصے میں فردوس جنکے نہ رضواں   نہ تقدیر میں حور جن کے نہ غلماں

پس از مرگ دوزخ ٹھکانا ہے جن کا
حمیم آبِ دو زقوم کھانا ہے جن کا

وہ ملک اور ملت پہ اپنی فدا ہیں — سب آپسمیں اک اک کے حاجت روا ہیں
اُولوالعلم ہیں اُن میں یا اغنیا ہیں — طبعیت [illegible] بہبودِ خلقِ خدا ہیں

یہ تمغا تھا گویا کہ حصّہ اُنھیں کا
کہ حُبّ الوطن ہے نشاں مومنیں کا

امیروں کی دولت غریبوں کی ہمت — ادیبوں کی انشا حکیموں کی حکمت
فصیحوں کے خطبے شجاعوں کی جرأت — سپاہی کے ہتھیار شاہوں کی طاقت

دلوں کی اُمیدیں اُمنگوں کی خوشیاں
سب اہلِ وطن اور وطن پر ہیں قرباں

عروج اُن کا جو تم عیاں دیکھتے ہو — جہاں میں اُنھیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع اُن کا سارا جہاں دیکھتے ہو — اُنھیں برتر از آسماں دیکھتے ہو

یہ ثمرے ہیں اُن کے جوانمردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

غنی ہم میں ہیں جو کہ اربابِ ہمت — مسلّم ہے عالم میں جن کی سخاوت
اگر ہے مشائخ سے اُن کو عقیدت — تو ہے پیرزادوں پہ وقف اُنکی دولت

نکمے ہیں دن رات واں عیش کرتے
یہ نوکر ہیں جتنے وہ بھوکے ہیں مرتے

عمل واعظوں کے اگر قول پر ہے — تو بخشش کی اُمید بے صرف زر ہے
نماز اور روزہ کی عادت اگر ہے — تو روزِ حساب اُن کو پھر کس کا ڈر ہے

اگر شہر میں کوئی مسجد بنادی
تو فردوس میں نیو اپنی جمادی

عمارت کی بنیاد ایسی اُٹھائی — نہ نکلے کہیں ملک میں جس کا ثانی
تماشوں میں ثروت بڑوں کی اُڑائی — نمائش میں دولت خدا کی لُٹائی

چھٹی بیاہ میں کرنے لاکھوں کے ساماں
یہ ہیں اُن کے ارماں یہ ہیں اُن کی خوشیاں

مگر دینِ برحق کا بوسیدہ ایواں — تزلزل میں مدت سے ہیں جسکے ارکاں
زمانہ میں ہے جو کوئی دن کا مہماں — نہ پائیں گے ڈھونڈھے جسے پھر مسلماں

عزیزوں نے اُس سے توجہ اُٹھالی
عمارت کا ہے اُس کے اللہ والی

پڑی ہیں سب اُجڑی ہوئی خانقاہیں — وہ درویش و سلطاں کی اُمید گاہیں
کھُلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں — فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

کہاں ہیں وہ جذبِ الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

وہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں — وہ اخبارِ دیں کے مُبصّر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں — محدّث کہاں ہیں مُفسّر کدھر ہیں

وہ مجلس جو کل سر بسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں — مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکانِ شرعِ مبیں کے کہاں ہیں — وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں
رہا کوئی امت کا ملجا نہ ماوا
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملا

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر — کہاں ہیں وہ علمِ الٰہی کے منظر
چلی ایسی اس بزم میں بادِ صرصر — بجھیں مشعلیں نورِ حق کی سراسر
رہا کوئی ساماں نہ مجلس میں باقی
صراحی نہ طنبور مطرب نہ ساقی

بہت لوگ بن کر ہوا خواہِ امت — سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
سدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت — پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیلِ دولت
یہ ٹھہرے ہیں اسلام کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارثِ انبیا اب

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر — نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر — کہ تھے ان کے اسلاف مقبولِ داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

یہ ہیں جادۂ پیمائے راہِ طریقت
مقام اِن کا ہے ماورائے شریعت
انھیں پہ ہے ختم آج کشف و کرامت
انھیں کے ہے قبضہ میں بندوں کی قسمت

یہی ہیں مراد اور یہی ہیں مرید اب
یہی ہیں جنید اور یہی بایزید اب

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے اُن سے جائے
تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے
تو قطعی خطاب اہلِ دوزخ کا پائے

اگر اعتراض اُس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے
کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اُسکو بناتے
کبھی مارنے کو عصا ہیں اُٹھاتے

ستوں چشمِ بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خُلقِ رسولِ امیں کے

جو چاہے کہ خوش اُن سے مل کر ہو انساں
تو ہے شرط وہ قوم کا ہو مسلماں
نشاں سجدہ کا ہو جبیں پر نمایاں
تشرّع میں اُس کے نہ کوئی ہو نقصاں

لبیں بڑھ رہی ہوں نہ ڈاڑھی چڑھی ہو
ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

عقائد میں حضرت کا ہم داستاں ہو
ہر اک اصل میں فرع میں ہمزباں ہو
حریفوں سے اُن کے بہت بدگماں ہو
مُریدوں کا اُن کے بڑا مدح خواں ہو
گر ایسا نہیں ہے تو مردود دیں ہے
بزرگوں سے ملنے کے قابل نہیں ہے

شریعت کے احکام تھے وہ گوارا
کہ شیدا تھے اُن پر یہود اور نصاریٰ
گواہ اُن کی نرمی کا قرآں ہے سارا
خود "اَلدِّیْنُ یُسْرٌ" نبیؐ نے پکارا
مگر یاں کیا ایسا دشوار اُن کو
کہ مومن سمجھنے لگے بار اُن کو

نہ کی اُن کی اخلاق میں رہنمائی
نہ باطن میں کی اُن کے پیدا صفائی
پہ احکام ظاہر کی لے یہ بڑھائی
کہ ہوتی نہیں اِن سے دم بھر رہائی
وہ دیں جو کہ چشمہ تھا خُلقِ نکو کا
کیا اُس کو بازیچہ غسل و وضو کا

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے
حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے
ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنّت کا ہے نام باقی
خدا اور نبیؐ سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم
جسے عقل رکھے نہ ہرگز مسلّم اُسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم
سب اِس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
سمجھ پہ ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

کرے غیر گر بُت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پہ بہر سجدہ تو کافر کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پہ کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلا گیا آکے ہندوستاں میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

تعصب کہ ہے دشمنِ نوعِ انساں بھرے گھر کئے سیکڑوں جس نے ویراں
ہوئی بزمِ نمرود جس سے پریشاں کیا جس نے فرعون کو نذرِ طوفاں

گیا جوش میں بولہب جس سے کھویا
ابوجہل کا جس نے بیڑا ڈبویا
وہ یاں اک عجب بھیس میں جلوہ گر ہے — چھپا جس کے پردے میں اُس کا فر ہے
بھرا زہر جس جام میں سر بسر ہے — وہ آبِ بقا ہم کو آ نا نظر ہے
تعصب کو اک جزو دیں سمجھے ہیں ہم
جہنم کو خلدِ بریں سمجھے ہیں ہم
ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے — کہ جو کام دینی ہے یا دُنیوی ہے
مخالف کی ریس اُس کی کرنی بُری ہے — نشاں غیرتِ دینِ حق کا یہی ہے
نہ ٹھیک اُس کی ہرگز کوئی بات سمجھو
وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو
قدم گر رہِ راست پر اُس کا پاؤ — تو تم سیدھے رستے سے کترا کے جاؤ
پڑی اُس میں جو دقتیں وہ اٹھاؤ — لگیں جس قدر ٹھوکریں اُس میں کھاؤ
جو نکلے جہاز اُس کا بچ کر بھنور سے
تو تم ڈال دو ناؤ اندر بھنور کے
اگر مسخ ہو جائے صورت تمھاری — بہائم میں ملجائے سیرت تمھاری
بدل جائے بالکل طبیعت تمھاری — سراسر بگڑ جائے حالت تمھاری
تو سمجھو کہ ہے حق کی اک شان یہ بھی
ہے اک جلوۂ نورِ ایمان یہ بھی

نہ اوضاع میں تم سے نسبت کسی کو
نہ اخلاق میں تم پہ سبقت کسی کو
نہ حاصل یہ کھانوں میں لذّت کسی کو
نہ پیدا یہ پوشش نہ زینت کسی کو
تمھیں فضل ہر علم میں برملا ہے
تمھاری جہالت میں بھی اک ادا ہے

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بُری تم
رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم
حمایت میں ہو جب کہ اسلام کی تم
تو ہو ہر بدی اور گُنہ سے بری تم
بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت کچھ
تمھارے گنہ اور نہ اوروں کی طاعت

مخالف کا اپنے اگر نام لیجے
تو ذکر اُسکا ذلت سے خواری سے کیجے
کبھی بھول کر طرح اس میں نہ دیجے
قیامت کو دیکھو گے اِس کے نتیجے
گناہوں سے ہوتے ہو گویا مبرا
مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرا

نہ سُنّی میں اور جعفری میں ہو اُلفت
نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت
مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ
تو شیطان سے اُس کو سمجھو زیادہ
جسے ایسے مقصد سے ہے استفادہ
رہِ حق سے ہے برطرف اُس کا جادہ

شریعت کو کرتے ہیں برباد دونوں
ہیں مردود شاگرد و اُستاد دونوں

وہ دیں جس نے اُلفت کی بُنیاد ڈالی کیا طبع دوراں کو نفرت سے خالی
بنایا اَجانب کو جس نے موالی ہر اک قوم کے دل سے وحشت نکالی

عرب اور حبش تُرک و تاجیک و دیلم
ہوئے سارے شیر و شکر مل کے باہم

تعصب نے اُس صاف چشمہ کو آکر کیا بغض کے خار و خس سے مکدّر
بنے خصم جو تھے عزیز اور برادر نفاق اہل قبلہ میں پھیلا سراسر

نہیں دستیاب ایسے اب دو مسلماں
کہ ہو ایک کو دیکھ کر ایک شاداں

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے مصیبت میں یاروں کے غمخوار ہوتے
سب اک اک کے باہم مددگار ہوتے عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جب اُلفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قولِ پیمبرؐ کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور معین اُس کا خود ہے خداوند یاور

تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی۔

وہ گھر جس میں ہوں دل ملے سب کے باہم — خوشی ناخوشی میں ہوں سب یار و ہمدم
اگر ایک خوش دل تو گھر سارا خرم — اگر ایک غمگیں تو دل سب کے پر غم
مبارک ہے اس قصر شاہنشہی سے
جہاں ایک دل ہو مکدر کسی سے

اگر ہو مدار اس پہ تحقیق دیں کا — کہ ہے دین والوں کا برتاؤ کیسا
ہے بازار ان کا کھرا یا کہ کھوٹا — ہے قول و قرار ان کا جھوٹا کہ سچا
تو ایسے نمونے بہت شاذ ہیں یاں
کہ اسلام پر جن سے قائم ہو برہاں

مجالس میں غیبت کا زور اسقدر ہے — کہ آلودہ اس خوان میں ہر بشر ہے
نہ بھائی کو بھائی سے یاں درگذر ہے — نہ ملا نہ صوفی کو اس سے خدر ہے
اگر نشہ مے ہو غیبت میں پنہاں
تو ہشیار پائیے نہ کوئی مسلماں

جنھیں چار پیسے کا مقدور ہے یاں — سمجھتے نہیں ہیں وہ انساں کو انساں
موافق نہیں جن سے ایام دوراں — نہیں دیکھ سکتے کسی کو وہ شاداں
نشہ میں تکبر کے ہے چور کوئی
حسد کے مرض میں ہے رنجور کوئی

اگر مرجع خلق ہے ایک بھائی — نہیں ظاہرا جس میں کوئی برائی
بھلا جس کو کہتی ہے ساری خدائی — ہر اک دل میں عظمت ہے جسکی سمائی

تو پڑتی ہیں اُس پر نگاہیں غضب کی
کھٹکتا ہے کانٹا سا آنکھوں میں سب کی

بگڑتا ہے جب قوم میں کوئی بن کر — ابھی بخت و اقبال تھے جسکے یاور
ابھی گردنیں جھکتی تھیں جسکے در پر — مگر کر دیا اب زمانے نے بے پر

تو ظاہر میں گو کُڑھتے ہیں پرجوش جی میں
کہ ہمدرد ہاتھ آیا اِک مفلسی میں

اگر اِک جواں مرد ہمدرد انساں — کرے قوم پر دل سے جاں اپنی قرباں
تو خود قوم اُس پر لگا دے یہ بہتاں — کہ ہے اس کی کوئی غرض اسمیں پنہاں

وگرنہ پڑی کیا کسی کو کسی کی
یہ چالیں سراسر ہیں خود مطلبی کی

نکالے گر اُن کی بھلائی کی صورت — تو ڈالیں بہانہ نکالے اسمیں کھنڈت
سُنیں کامیابی میں جب اُسکی شہرت — تو دل سے تراشیں کوئی تازہ تہمت

مُنہ اپنا ہو گو دین و دنیا میں کالا
نہ ہو ایک بھائی کا پر بول بالا

اگر پاتے ہیں دو دلوں میں صفائی — تو ہیں ڈالتے اُن میں طرح جُدائی
ٹھنی دو گروہوں میں جس دم لڑائی — تو گویا تمنا ہماری بر آئی

بس اس سے نہیں مشغلہ خوب کوئی
تماشا نہیں ایسا مرغوب کوئی

تغلب میں بدنیتی میں دغا میں نمود اور بناوٹ فریب اور ریا میں
سعایت میں بہتان میں افترا میں کسی بزم بیگانہ و آشنا میں

نہ پاؤ گے رسوا و بدنام ہم سے
بڑھے پھر نہ کیوں شانِ اسلام ہم سے

خوشامد میں ہم کو وہ قدرت ہے حاصل کہ انساں کو ہر طرح کرتے ہیں مائل
کہیں احمقوں کو بناتے ہیں عاقل کہیں ہوشیاروں کو کرتے ہیں غافل

کسی کو اُتارا کسی کو چڑھایا
یونہیں سیکڑوں کو اسامی بنایا

روایات پر حاشیہ اِک چڑھانا قسم جھوٹے وعدوں پہ سو بار کھانا
اگر مدح کرنا تو حد سے بڑھانا مذمت پہ آنا تو طوفاں اُٹھانا

یہ ہے روزمرّہ کا یاں اُن کے عنواں
فصاحت میں بے مثل ہیں جو مسلماں

اُسے جانتے ہیں بڑا اپنا دشمن ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن
نصیحت سے نفرت ہے ناصح سے اَن بن سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن

یہی عیب ہے سب کو کھویا ہے جس نے
ہمیں ناؤ بھر کر ڈبویا ہے جس نے

وہ عہد ہمایوں جو خیر القروں تھا خلافت کا جب تک کہ قائم ستوں تھا
نبوت کا سایہ ابھی رہنموں تھا سماں خیر و برکت کا ہر دم فزوں تھا

عدالت کے زیور سے تھے سب مزین
پھلا اور پھولا تھا احمدؐ کا گلشن

سعادت بڑی اُس زمانہ کی یہ تھی — کہ جُھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ کرتے تھے خود قول حق سے خموشی — نہ لگتی تھی حق کی انھیں بات کڑوی

غلاموں سے ہو جاتے تھے بہند آقا
خلیفہ سے لڑتی تھی اک ایک بڑھیا

نبیؐ نے کہا تھا جنھیں فخر اُمت — جنھیں خلد کی مل چکی تھی بشارت
مُسلّم تھی عالم میں جن کی عدالت — رہا مفتخر جن سے تختِ خلافت

وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے دردر
کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سُن کر

مگر ہم کہ ہیں دام و درہم سے بہتر — نہ ظاہر کہیں ہم میں خوبی نہ مُضمر
نہ اقران و امثال میں ہم مُوقّر — نہ اجداد و اَسلاف کے ہم میں جوہر

نصیحت سے ایسا بُرا مانتے ہیں
کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر — کوئی ہم پہ مبعوث ہوتا پیمبر
تو ہے جیسے مذکور قرآں کے اندر — ضلالت یہود اور نصاریٰ کی اکثر

یوں نہیں جو کتاب اُس پیمبر پہ آتی
وہ گمراہیاں سب ہماری جتاتی

ہُنر ہم میں جو ہیں وہ معلوم ہیں سب　　علوم اور کمالات معدوم ہیں سب
چلن اور اطوار مذموم ہیں سب　　فراغت سے دولت سے محروم ہیں سب
جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر
تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

وہ تقویم پارینہ یونانیوں کی　　وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکے کی ٹٹی
یقیں جس کو ٹھہرا چکا ہے نکمّی　　عمل نے جسے کر دیا آ کے ردّی
اُسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ
کوئی بات اُس میں نہیں کم زیادہ

زبور اور توریت و انجیل و قرآں　　بالاجماع ہیں قابل نسخ و نسیاں
مگر لکھ گئے جو اصول اہل یوناں　　نہیں نسخ و تبدیل کا اُن میں امکاں
نہیں مٹتے جب تک کہ آثارِ دُنیا
مٹے گا کبھی کوئی شوشہ نہ اُن کا

نتائج ہیں جو مغربی علم و فن کے　　وہ ہیں ہند میں جلوہ گر سو برس سے
تعصب نے لیکن وہ ڈالے ہیں پردے　　کہ ہم حق کا جلوہ نہیں دیکھ سکتے
دلوں پہ ہیں نقش اہل یوناں کی رائیں
جو اب وحی اُترے تو ایماں نہ لائیں

اب اِس فلسفہ پہ جو ہیں مرنے والے　　شفا اور مجسطی کے دم بھرنے والے
ارسطو کی چوکھٹ پہ سر دھرنے والے　　فلاطون کی اقتدا کرنے والے

وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں

وہ جب کر چکے ختم تحصیل حکمت — بندھی سر پہ دستار علم و فضیلت
اگر رکھتے ہیں کچھ طبیعت میں جودت — تو ہے اُن کی سب سے بڑی یہ لیاقت
کہ گر دن کو وہ رات کہدیں زباں سے
تو منوا کے چھوڑیں اُسے اک جہاں سے

سوا اس کے جو آئے اُس کو پڑھا دیں — اُنھیں جو کچھ آتا ہے اُس کو بتا دیں
وہ سیکھی ہیں جو بولیاں سب سکھا دیں — میاں مٹھو اپنا سا اُس کو بنا دیں
یہ لے دے کے ہے علم کا اُن کے حاصل
اسی پر ہے فخر اُن کو بَینَ الاَمَاثِل

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل — نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل — نہ بازار میں بوجھ اٹھانے کے قابل
نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

جو پوچھو کہ حضرت نے جو کچھ پڑھا ہے — مراد آپ کی اس کے پڑھنے سے کیا ہے
مفاد اس میں دنیا کا یا دین کا ہے — نتیجہ کوئی یا کہ اس کے سوا ہے
تو مجذوب کی طرح سب کچھ بکیں گے
جواب اس کا لیکن نہ کچھ دے سکیں گے

نہ محبت رسالت پہ لا سکتے ہیں وہ — نہ اسلام کا حق جتا سکتے ہیں وہ
نہ قرآں کی عظمت دکھا سکتے ہیں وہ — نہ حق کی حقیقت بتا سکتے ہیں وہ
دلیلیں ہیں سب آج بیکار اُن کی
نہیں چلتی توپوں میں تلوار اُن کی

پڑے اُس مشقت میں ہیں وہ سراپا — نتیجہ نہیں اُن کو معلوم جس کا
گئیں بھول آگے کی بھیڑیں جو بٹیا — اُسی راہ پر پڑ لیا سارا گلّا
نہیں جانتے یہ کہ جاتے کدھر ہیں
گئے بھول رستہ وہ یا راہ پر ہیں

مثال اُنکی کوشش کی ہے صاف ایسی — کہ کھائی کہیں بندروں نے جو سردی
اِدھر اور اُدھر دیر تک آگ ڈھونڈی — نظر روشنی اُن کو آئی نہ اُس کی
مگر ایک جگنو چمکتا جو دیکھا
پتنگا اُسے آگ کا سب نے سمجھا

لیا جا کے تھام اور سب نے اُسی دم — کیا گھانس پھونس اُس پہ لا کر فراہم
لگے اُس کو سلگانے سب مل کے پیہم — نہ کچھ آگ سلگی نہ سردی ہوئی کم
یونہیں رات ساری انھوں نے گنوائی
مگر اپنی محنت کی راحت نہ پائی

گذرتے تھے جو جانور اُس طرف سے — جب اس کشمکش میں اُنھیں دیکھتے تھے
ملامت بہت سخت تھے اُن کو کرتے — کہ شرمائیں وہ زعم باطل سے اپنے

مگر اپنی کد سے نہ باز آتے تھے وہ
ملامت پہ اور اُلٹے غرّاتے تھے وہ

نہ سمجھے وہ جب تک ہوا دن نہ روشن
اِسی طرح جو ہیں حقیقت کے دشمن
نہ جھاڑیں گے گردِ توہم سے دامن
پہ جب ہوگا نورِ سحر لمعہ افگن

بہت جلد ہو جائے گا آشکارا
کہ جگنو کو سمجھے تھے وہ اک شرارا

وہ طب جس پہ غش ہیں ہمارے اطبّا
سمجھتے ہیں جس کو بیاضِ مسیحا
بتانے میں ہے بخل جسکے بہت سا
جسے عیب کی طرح کرتے ہیں اخفا

فقط چند نسخوں کا ہے وہ سفینہ
چلے آئے ہیں جو کہ سینہ بہ سینہ

نہ اُن کو نباتات سے آگہی ہے
نہ اصلا خبر معدنیات کی ہے
نہ تشریح کی نے کسی پر کھُلی ہے
نہ علم طبیعی نہ کیمسٹری ہے

نہ پانی کا علم اور نہ عالم ہوا ہے
مریضوں کا اُن کے نگہباں خدا ہے

نہ قانون میں اُن کے کوئی خطا ہے
نہ مخزن میں انگشت رکھنے کی جا ہے
سدیدی میں لکھا ہے جو کچھ بجا ہے
نفیسی کے ہر قول پہ جاں فدا ہے

مصنف لکھ گئے جو قیاس اور گماں سے
صحیفے ہیں اُترے ہوئے آسماں سے

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر — عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلہ میں برابر — ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا
وہ علموں میں علمِ ادب ہے ہمارا

برا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے — عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے — مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

سخن جو ہے یاں آج حصہ ہمارا — نہیں قوم کو ظاہرا جس سے چارا
ہر اک کذب و بہتان ہے جس میں گوارا — مجسم ہو اُس کا اگر جھوٹ سارا
بنے ہند میں اُس سے اور اک ہمالا
ہمالہ سے ہو جس کی چوٹی دوبالا

زمانے میں جتنے قلی اور نفر ہیں — کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گوئیے امیروں کے نورِ نظر ہیں — ڈفالی بھی لے آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپِ دق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں

جو سقے نہ ہوں جی سے جائیں گذر سب — ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب — جو ٹھہر جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب

پہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
تہیں مل کے "خس کم جہاں پاک" سارے

عرب جو تھے دنیا میں اس فن کے بانی
نہ تھا کوئی آفاق میں جن کا ثانی
زمانے نے جن کی فصاحت تھی مانی
مٹا دی عزیزوں نے اُن کی نشانی

سب اُن کے ہنر اور کمالات کھو کر
رہے شاعری کو بھی آخر ڈبو کر

ادب میں پڑی جان اُن کی زباں سے
جلادین نے پائی اُن کے بیاں سے
سناں کے لیے کام اُنھوں نے لساں سے
زبانوں کے کوچے تھے بڑھ کر سناں سے

ہوئے اُن کے شعروں سے اخلاق صیقل
پڑی اُن کے خطبوں سے عالم میں ہلچل

خلعت اُن کے یاں جو کہ جادو بیاں ہیں
فصاحت میں مقبول پیر و جواں ہیں
بلاغت میں مشہور ہندوستاں ہیں
وہ کچھ ہیں تو لے دیکے اس گوں یہاں ہیں

کہ جب شعر میں عمر ساری گنوائیں
تو بھانڈ اُن کی غزلیں مجالس میں گائیں

طوائف کو ازبر ہیں دیوان اُن کے
گویّوں پہ بیحد ہیں احسان اُن کے
نکلتے ہیں نکبوں میں ارمان اُن کے
ثناخواں ہیں ابلیس و شیطان اُن کے

کہ عقلوں پہ پردے دئے ڈال اُنھوں نے
ہمیں کر دیا فارغ البال اُنھوں نے

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے ۔ تباہ اُن کی حالت بری اُنکی گت ہے
کسی کو کبوتر اُڑانے کی لت ہے ۔ کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے
چرس اور گانجے پہ شیدا ہے کوئی
مدک اور چانڈو کا رسیا ہے کوئی
سدا گرم انکار سے اُن کی صحبت ۔ ہر اک رند و اوباش سے اُنکی ملت
پڑھے لکھوں کے سایہ سے اُنکو وحشت ۔ مدارس کی تعلیم سے اُن کو نفرت
کمینوں کے جرگے میں عمریں گنوائیں
اُنھیں گالیاں دینی اور آپ کھائیں
نہ علمی مدارس میں ہیں اُنکو پاتے ۔ نہ شائستہ جلسوں میں ہیں آتے جاتے
پہ میلوں کی رونق ہیں جا کر بڑھاتے ۔ پڑے پھرتے ہیں دیکھتے اور دکھاتے
کتاب اور معلم سے پھرتے ہیں بھاگے
مگر ناچ گانے میں ہیں سب سے آگے
اگر کیجے اُن پاک شہدوں کی گنتی ۔ ہوا جن کے پہلو سے بچ کر ہے چلتی
ملی خاک میں جن سے عزت بڑوں کی ۔ مٹی خاندانوں کی جن سے بزرگی
تو یہ جس قدر خانہ برباد ہوں گے
وہ سب ان شریفوں کے اولاد ہوں گے
ہوئی اُن کی بچپن میں یوں پاسبانی ۔ کہ قیدی کی جیسے کٹے زندگانی
لگی ہونے جب کچھ سمجھ بوجھ سیانی ۔ چڑھی بھوت کی طرح سر پر جوانی

بس اب گھر میں دشوار تھمنا ہے اُن کا
اکھاڑوں میں تکیوں میں رہنا ہے اُن کا

نشہ میں مئے عشق کے چور ہیں وہ صفِ فوجِ مژگاں میں محصور ہیں وہ
خمِ چشم و ابرو میں رنجور ہیں وہ بہت ہاتھ سے دل کے مجبور ہیں وہ
کریں کیا کہ ہے عشق طینت میں اُن کی
حرارت بھری ہے طبیعت میں اُن کی

اگر شش جہت میں کوئی دلربا ہے تو دل اُن کا نادیدہ اُس پہ فدا ہے
اگر خواب میں کچھ نظر آ گیا ہے تو یاد اُس کی دن رات نامِ خدا ہے
بھری سب کی وحشت سے رُوداد ہے یاں
جسے دیکھیے قیس و فرہاد ہے یاں

اگر ماں ہے دُکھیا تو اُن کی بلا سے اپاہج ہے باوا تو اُن کی بلا سے
جو ہے گھر میں فاقہ تو اُن کی بلا سے جو مرتا ہے کُنبا تو اُن کی بلا سے
جنھوں نے لگائی ہو لو دلربا سے
غرض پھر اُنھیں کیا رہی ماسوا سے

نہ گالی سے دشنام سے جی چرائیں نہ جوتی سے پیزار سے ہچکچائیں
جو میلوں میں جائیں تو پھبن دکھائیں جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اٹھائیں
لرزتے ہیں اوباش اُن کی ہنسی سے
گریزاں ہیں رند اُن کی ہمسائگی سے

سپوتوں کو اپنے اگر بیاہ دیجے تو بہوؤں کا بوجھ اپنی گردن پہ لیجے
جو بیٹی کے پیوند کی فکر کیجے تو برراہ ہیں بھانجے اور بھتیجے

یہی جھینگنا کو بکو گھر بہ گھر ہے
بہو کو ٹھکانا نہ بیٹی کو بر ہے

نہ مطلب نگاری کا اُن کو سلیقہ نہ دربار داری کا اُن کو سلیقہ
نہ اُمیدواری کا اُن کو سلیقہ نہ خدمت گزاری کا اُن کو سلیقہ

قُلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر اُن کو کس مد میں کوئی کھپائے

نہیں ملتی روٹی جنھیں پیٹ بھر کے وہ گذران کرتے ہیں سو عیب کر کے
جو ہیں اُن میں دو چار آسودہ گھر کے وہ دن رات خواہاں ہیں مرگِ پدر کے

نمونے یہ اعیان و اشراف کے ہیں
سلف اِن کے وہ تھے خلف اُنکے یہ ہیں

وہ اسلام کی پود شاید یہی ہے کہ جس کی طرف آنکھ سب کی لگی ہے
بہت جس سے آیندہ چشم یہی ہے بقا منحصر جس پہ اسلام کی ہے

یہی جان ڈالے گی باغِ کہن میں؟
اِسی سے بہار آئے گی اس چمن میں؟

یہی ہیں وہ نسلیں مبارک ہماری؟ کہ بخشیں گی جو دین کو اُستواری
کریں گی یہی قوم کی غمگساری اِنھیں پر اُمیدیں ہیں موقوف ساری

یہی شمع اسلام روشن کریں گی
بڑوں کا یہی نام روشن کریں گی

خلف اُن کے الحق اگر یاں یہی ہیں   سلف کے اگر فاتحہ خواں یہی ہیں
اگر یادگارِ عزیزاں یہی ہیں   اگر نسل واشراف واعیاں یہی ہیں

تو یاد اس قدر اُنکی رہ جائے گی یاں
کہ اِک قوم رہتی تھی اس نام کی یاں

سمجھتے ہیں شائستہ جو آپ کو یاں   ہیں آزادیٔ رائے پر جو کہ نازاں
چلن پر ہیں جو قوم کے اپنی خنداں   مسلماں ہیں سب جنکے نزدیک ناداں

جو ڈھونڈھو گے یاروں کے ہمدرد اُن میں
تو نکلیں گے تھوڑے جواں مرد اُن میں

نہ رنج اُن کے افلاس کا اُن کو اصلا   نہ فکر اُن کی تعلیم اور تربیت کا
نہ کوشش کی ہمت نہ دینے کو پیسا   اُڑانا مگر مفت اِک اِک کا خاکہ

کہیں اُن کی پوشاک پر طعن کرنا
کہیں اُن کی خوراک پر نام دھرنا

عزیزوں کی جس بات میں عیب پانا   نشانہ اُنھیں پھبتیوں کا بنانا
شماتت سے دل بھائیوں کا دُکھانا   یگانوں کو بیگانہ بن کر چِڑانا

نہ کچھ درد کی چوٹ اُن کے جگر میں
نہ قطرہ کوئی خون کا چشم تر میں

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے — پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہے
نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے — کوئی اُن میں سوتا کوئی جاگتا ہے
جو سوتے ہیں وہ مستِ خوابِ گراں ہے
جو بیدار ہیں اُن پہ خنداں زناں ہیں

کوئی اُن سے پوچھے کہ اے ہوش والو — کس اُمید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو
بُرا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو — نہ چھوڑے گا سوتوں کو اور جاگتوں کو
بچو گے نہ تم اور نہ ساتھی تمھارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

غرض عیب کیجے بیاں اپنے کیا کیا — کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا
فقیہہ اور جاہل ضعیف اور توانا — تاسّف کے قابل ہے احوال سب کا
مریض ایسے مایوس دنیا میں کم ہیں
بگڑ کر کبھی جو نہ سنبھلیں وہ ہم ہیں

کسی نے یہ اک مرد دانا سے پوچھا — کہ نعمت ہے دنیا میں سب سے بڑی کیا
کہا "عقل جس سے ملے دین و دنیا" — کہا "گر نہ ہو اُس سے انساں کو بہرا"
کہا "پھر اہم سب سے علم و ہنر ہے
کہ جو باعثِ افتخارِ بشر ہے"

کہا "گر نہ ہو یہ بھی اُس کو میسّر" — کہا "مال و دولت ہے پھر سب سے بڑھ کر"
کہا "در ہو یہ بھی اگر بند اُس پر" — کہا "اُس پہ بجلی کا گرنا ہے بہتر"

وہ ننگِ بشر تاکہ ذلّت سے چھوٹے
خلائق سب اُس کی نحوست سے چھوٹے
مجھے ڈر ہے اے میرے ہم قوم یارو　　مبادا کہ وہ ننگ عالم تمھیں ہو
گر اسلام کی کچھ حمیّت ہے تم کو　　تو جلدی سے اُٹھو اور اپنی خبر لو
وگرنہ یہ قول آئے گا راست تم پر
کہ "ہونے سے اِن کا نہ ہونا ہے بہتر"
رہو گے یونہی فارغ البال کب تک　　نہ بدلو گے یہ چال اور ڈھال کب تک
رہے گی نئی پود پامال کب تک　　نہ چھوڑو گے تم بھیڑیا چال کب تک
بس اگلے فسانے فراموش کر دو
تعصب کے شعلے کو خاموش کر دو
حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں　　ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں
صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں　　کہ راجا کے پرجا تلک سب سکھی ہیں
تسلّط ہے ملکوں میں امن و اماں کا
نہیں بند رستہ کسی کاروں کا
نہ بدخواہ ہے دین و ایماں کا کوئی　　نہ دشمن حدیث اور قرآں کا کوئی
نہ ناقص ہے ملّت کے ارکاں کا کوئی　　نہ مانع شریعت کے فرماں کا کوئی
نمازیں پڑھو بے خطر معبدوں میں
اذانیں دھڑاکے سے دو مسجدوں میں

کھلی ہیں سفر اور تجارت کی راہیں
نہیں بند صنعت کی حرفت کی راہیں
جو روشن ہیں تحصیل حکمت کی راہیں
تو ہموار ہیں کسب و دولت کی راہیں
نہ گھر میں غنیم اور دشمن کا کھٹکا
نہ باہر ہے قزاق و رہزن کا کھٹکا

مہینوں کے کٹتے ہیں رستے پلوں میں
گھروں سے سوا چین ہے منزلوں میں
ہر اک گوشہ گلزار ہے جنگلوں میں
شب و روز ہے ایمنی قافلوں میں
سفر جو کبھی تھا نمونہ سقر کا
وسیلہ وہ اب ہے سراسر ظفر کا

پہنچتی ہیں ملکوں سے دم دم کی خبریں
چلی آتی ہیں شادی و غم کی خبریں
عیاں ہیں ہر اک برِّ اعظم کی خبریں
کھلی ہیں زمانہ پہ عالم کی خبریں
نہیں واقعہ کوئی پنہاں کہیں کا
ہے آئینہ احوال روئے زمیں کا

کرو قدر اس امن و آزادگی کی
کہ ہے صاف ہر سمت راہِ ترقی
ہر اک راہ رو کا زمانہ ہے ساتھی
یہ ہر سو سے آوازِ پیہم ہے آتی
کہ دشمن کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر ہے
نکل جاؤ رستہ ابھی بے خطر ہے

بہت قافلے دیر سے جا رہے ہیں
بہت بوجھ بار اپنے لدوا رہے ہیں
بہت چل چلاؤ میں گھبرا رہے ہیں
بہت سے نہ چلنے سے پچھتا رہے ہیں

مگر اک تمھیں ہو کہ سوتے ہو غافل
مبادا کہ غفلت میں کھوٹی ہو منزل

نہ بدخواہ سمجھو بس اب یاوروں کو
لٹیرے نہ ٹھہراؤ تم رہبروں کو
دو الزام پیچھے نصیحت گروں کو
ٹٹولو ذرا پہلے اپنے گھروں کو
کہ خالی ہیں یا پُر ذخیرے تمھارے
بُرے ہیں کہ اچھے وتیرے تمھارے

امیروں کی تم سن چکے داستاں سب
چلن ہو چکے عالموں کے بیاں سب
شریفوں کی حالت ہے تم پر عیاں سب
بگڑنے کو تیار بیٹھے ہیں یاں سب
یہ بوسیدہ گھر اب گرا کا گرا ہے
ستونوں مرکزِ ثقل سے ہٹ چکا ہے

یہ جو کچھ ہوا ایک شمہ ہے اُس کا
کہ جو وقت یاروں پہ ہے آنے والا
زمانے نے اونچے سے جس کو گرایا
وہ آخر کو مٹی میں مل کر رہے گا
نہیں گرچہ کچھ قوم میں حال باقی
ابھی اور ہونا ہے پامال باقی

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے
سرانجام ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا سے زمانہ کی عادت یہی ہے
طلسمِ جہاں کی حقیقت یہی ہے
بہت یاں ہوئے خشک چشمے اُبل کر
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھل کر

کہاں ہیں وہ اہرام مصری کے بانی　　کہاں ہیں وہ گردانِ زابلستانی
گئے پیشدادی کدھر اور کیانی　　مٹا کر رہی سب کو دُنیائے فانی
لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

وہی ایک ہے جس کو دائم بقا ہے　　جہاں کی وراثت اسی کو سزا ہے
سوا اس کے انجام سب کا فنا ہے　　نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے
مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب
غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب



بس اے ناامیدی نہ یوں دل بجھا تو — جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو
ذرا ناامیدوں کی ڈھارس بندھا تو — فسردہ دلوں کے دل آخر بڑھا تو

ترے دم سے مردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

سفینہ پئے نوح طوفاں میں تو تھی — سکون بخش یعقوبؑ کنعاں میں تو تھی
زلیخا کی غمخوار ہجراں میں تو تھی — دل آرام یوسفؑ کی زنداں میں تو تھی

مصائب نے جب آن کر ان کو گھیرا
سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا

بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تو نے — بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تو نے
اکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تو نے — اجڑتے گھروں کو بسایا ہے تو نے

بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہے
اندھیرے میں اکثر اجالا کیا ہے

قوی تجھ سے ہمت ہے پیر و جواں کی — بڑی تجھ سے ڈھارس ہے خورد و کلاں کی
تجھی پر ہے بنیاد نظم جہاں کی — نہ ہو تو تو رونق نہ ہو اس دکاں کی

تگاپو ہے ہر مرحلے میں تجھی سے
رواں ہے ہر قافلے میں تجھی سے

کسانوں سے کھیتی ہے تو ہی بُواتی   جہازوں کو گرداب میں ہے کھواتی
سکندر کو دارا پہ ہے تو چڑھاتی   فریدوں کو ضحاک سے ہے لڑاتی

چلے سب جدھر تو نے باگ عناں کی
نظر تیری سیٹی پہ ہے کارواں کی

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے   تونگر بنایا گداؤں کو تو نے
دیا دسترس نارساؤں کو تو نے   کیا بادشہ ناخداؤں کو تو نے

سکندر کو شان کئی تو نے بخشی
کلمبس کو دنیا نئی تو نے بخشی

وہ رہرو نہیں رکھتے جو کوئی ساماں   خور و زاد سے جن کا خالی ہے داماں
نہ ساتھی کوئی جس سے منزل ہو آساں   نہ محرم کوئی جو سُنے دردِ پنہاں

ترے بل پہ خوش خوش ہیں اس طرح جاتے
کہ جا کر خزانہ ہیں اب کوئی پاتے

زمیں جوتنے کو جب اُٹھتا ہے جوتا   سمے کا گماں تک نہیں جب کہ ہوتا
شب و روز محنت میں ہے جان کھوتا   مہینوں نہیں پاؤں پھیلا کے سوتا

اگر موجزن اُس کے دل میں نہ تو ہو
تو دنیا میں غل بھوک کا چار سو ہو

بنے اس سے بھی گر سوا اپنے دم پر بلاؤں کا ہو سامنا ہر قدم پر
پہاڑ اک فزوں اور ہو کوہِ غم پر گذر نی ہو جو کچھ گذر جائے ہم پر

نہیں فکر۔ تو دل بڑھاتی ہے جب تک
دماغوں میں بُو تیری آتی ہے جب تک

یہ سچ ہے کہ حالت ہماری زبوں ہے عزیزوں کی غفلت وہی جوں کی توں ہے
جہالت وہی قوم کی رہنموں ہے تعصّب کی گردن پہ ملّت کا خوں ہے

مگر اسے اُمید اک سہارا ہے تیرا
کہ جلوہ یہ دُنیا میں سارا ہے تیرا

نہیں قوم میں گرچہ کچھ جان باقی نہ اُس میں وہ اسلام کی شان باقی
نہ وہ جاہ و حشمت کے سامان باقی پر اس حال میں بھی ہے اِک آن باقی

بگڑنے کا گو اُن کے وقت آگیا ہے
مگر اس بگڑنے میں بھی اِک ادا ہے

بہت ہیں ابھی جن میں غیرت ہے باقی دلیری نہیں پر حمیّت ہے باقی
فقیری میں بھی بوئے ثروت ہے باقی تہی دست ہیں پر مروّت ہے باقی

مٹے پر بھی پندارِ ہستی وہی ہے
مکاں گرم ہے آگ گو بجھ گئی ہے

سمجھتے ہیں عزّت کو دولت سے بہتر فقیری کو ذلّت کی شہرت سے بہتر
گلیمِ قناعت کو ثروت سے بہتر انھیں موت ہے بارِ منّت سے بہتر

سر اُن کا نہیں در بدر جھکنے والا
وہ خود پست ہیں پر نگاہیں ہیں بالا

مشابہ ہے قوم اُس مریضِ جواں سے کیا ضعف نے جس کو مایوس جاں سے
نہ بستر سے حرکت نہ جنبش مکاں سے اجل کے ہیں آثار جس پر عیاں سے
نظر آتے ہیں سب مرض جس کے مُزمِن
نہیں کوئی مُہلک مرض اُس کو لیکن

بجا ہیں حواس اُسکے اور ہوش قائم طبیعت میں میلِ خور و نوش قائم
دماغ اور دل چشم اور گوش قائم جوانی کا پندار اور جوش قائم
کرے کوئی اُس کی اگر غور کامل
عجب کیا جو ہو جائے زندوں میں شامل

عیاں سب پہ احوال بیمار کا ہے کہ تیل اُس میں جو کچھ تھا سب جل چکا ہے
موافق دوا ہے نہ کوئی غذا ہے ہُزالِ بدن ہے زوالِ قویٰ ہے
مگر ہے ابھی یہ دیا ٹمٹماتا
بجھا جو کہ ہے یاں نظر سب کو آتا

یہ سچ ہے کہ ہے قوم میں قحط انساں نہیں قوم کے ہیں سب افراد یکساں
سفال و خزف کے ہیں انبار گریاں جواہر کے ٹکڑے بھی ہیں اُن میں پنہاں
چھپے سنگریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ
ملے ریت میں ریزۂ زر بھی ہیں کچھ

جو بے ہیں اُن میں تو غمخوار بھی ہیں جو بے مہر ہیں کچھ تو کچھ یار بھی ہیں
اُنھیں غافلوں میں خبردار بھی ہیں خرابات میں چند ہُشیار بھی ہیں
جماعت سے اپنی نرالے بھی ہیں یاں
نکمّوں میں کچھ کام والے بھی ہیں یاں

جو چاہیں پلٹ دیں یہی سب کی کایا کہ اِک اِک نئے مُلکوں کو ہے یاں جگایا
اکیلوں نے ہے قافلوں کو بچایا جہازوں کو ہے زورقوں نے ترایا
یونہیں کام دُنیا کا چلتا رہا
دیے سے دیا یونہیں جلتا رہا

یہ سچ ہے کہ ہیں بیشتر ہم میں ناداں نہیں جن کے دردِ تعصب کا درماں
جہاں میں ہیں ہیں جو اُنکی عزت کے خواہاں اُنھیں سے وہ رہتے ہیں دست و گریباں
پہ ایسے بھی کچھ ہوتے جاتے ہیں پیدا
کہ جو خیرخواہوں پہ ہیں اپنے شیدا

کوئی خیرخواہی میں ہے ہمسر اُن کا کوئی دست و بازو سے ہے یاور اُنکا
کوئی ہے زباں سے ستائش گر اُن کا بہت رکھتے ہیں نقشِ حُب دل پر اُن کا
بہت اُن کے گُن سُنتے ہیں چُپکے چُپکے
بہت سُن کے سر دُھنتے ہیں چُپکے چُپکے

بہت دن سے دریا کا پانی کھڑا تھا تموّج کا جس میں نہ ہرگز پتا تھا
تغیّر سے یہ حال اُس کا ہوا تھا کہ مکروہ تھی بو تو کڑوا مزا تھا

ہوئی تھی یہ پانی سے زائل روانی
کہ مشکل سے کہہ سکتے تھے اُس کو پانی

پر اب اُس میں رَو کچھ کچھ آنے لگی ہے — کناروں کو اس کے ہلانے لگی ہے
ہوا بُلبلے کچھ اُٹھانے لگی ہے — عفونت وہ پانی سے جانے لگی ہے

اگر ہو نہ یہ انقلاب اتفاقی
تو دریا میں بس اک تموّج ہے باقی

حوادث نے اُن کو ڈرایا ہے کچھ کچھ — مصائب نے نیچا دکھایا ہے کچھ کچھ
ضرورت نے رستہ بتایا ہے کچھ کچھ — زمانے کے غُل نے جگایا ہے کچھ کچھ

ذرا دست و بازو ہلانے لگے ہیں
وہ سوتے میں کچھ کُلبلانے لگے ہیں

رہ راست پر ہیں وہ کچھ آتے جاتے — تعلّی سے ہیں اپنے شرماتے جاتے
تفاخر سے ہیں اپنے پچتاتے جاتے — سُراغ اپنا کچھ کچھ ہیں وہ پاتے جاتے

بزرگی کے دعووں سے پھرنے لگے ہیں
وہ خود اپنی نظروں سے گرنے لگے ہیں

نہیں گھاٹ پر گو ترقی کے آتے — نئی بات سے ناک بھوں ہیں چڑھاتے
نئی روشنی سے ہیں آنکھیں چُراتے — مگر ساتھ ہی یہ بھی ہیں کہتے جاتے

کہ دُنیا نہیں گرچہ رہنے کے قابل
پر اس طرح دنیا میں رہنا ہے مشکل

تنزل پہ وہ ہاتھ ملنے لگے ہیں کچھ اس سوز سے جی پگھلنے لگے ہیں
دھوئیں کچھ دلوں سے نکلنے لگے ہیں کچھ آرے سے سینوں پہ چلنے لگے ہیں
وہ غفلت کی راتیں گذرنے کو ہیں اب
نشے جو چڑھے تھے اُترنے کو ہیں اب

نہیں گرچہ کچھ درد اسلام اُن کو نہ بہبودئ قوم سے کام اُن کو
نہ کچھ فکر آغاز و انجام اُن کو برابر ہے ہو صبح یا شام اُن کو
مگر قوم کی سُن کے کوئی مصیبت
اُنھیں کچھ نہ کچھ آہی جاتی ہے رقت

خصومت سے ہیں اپنی گو خواریاں سب نزاعوں سے باہم کے ہیں ناتواں سب
خود آپس کی چوٹوں سے ہیں خستہ جاں سب پہ ہیں متفق اس پہ پیر و جواں سب
کہ نا اتفاقی نے کھویا ہے ہم کو
اسی جزر و مد نے ڈبویا ہے ہم کو

یہ مانا کہ کم ہم میں ہیں ایسے دانا جنھوں نے حقیقت کو ہے اپنے چھانا
تنزل کو ہے ٹھیک اپنے جانا کہ ہم ہیں کہاں اور کہاں ہے زمانا
یہ اتنا زبانوں پہ ہے سب کے جاری
کہ حالت بُری آجکل ہے ہماری

فرائض ہیں گو دین کے سب ہیں قاصر نہ مشغول باطن نہ پابند ظاہر
مساجد سے غائب ملاہی میں حاضر مگر ایسے فاسق ہیں اُن میں نہ فاجر

کہ مذہب پہ حملے ہیں جو ہر طرف سے
وہ دیکھ اُن کو ہٹ جائیں راہِ سلف سے

خود اپنی ہی گو قدر و قیمت گنوائی
یہ بھولے نہیں ہیں بڑوں کی بڑائی
جو آپ اُن کی خوبی نہیں کوئی پائی
تو ہیں خوبیوں پر اُنھیں کی فدائی
شرف گو کہ باقی نہیں اُن میں اب کچھ
مگر خواب میں دیکھ لیتے ہیں سب کچھ

ذرا پھر کے پیچھے وہ جب دیکھتے ہیں
وہ اپنا حسب اور نسب دیکھتے ہیں
بزرگوں کا علم و ادب دیکھتے ہیں
سرافرازیٔ جدّ و اب دیکھتے ہیں
تو ہیں فخر سے وہ کبھی سر اُٹھاتے
کبھی ہیں ندامت سے گردن جھکاتے

اگر کچھ بھی باقی رہو یاروں ہیں ہمت
تو اُن کا یہی افتخار اور ندامت
شگونِ سعادت ہے اور فالِ دولت
کہ آتی ہے کچھ اس سے بوئے حمیّت
وہ کھو بیٹھے آخر کمائی بڑوں کی
بھلا دی جنھوں نے بڑائی بڑوں کی

اسیری میں جو گرمِ فریاد ہیں یاں
وہی آشیاں کرتے آباد ہیں یاں
قفس سے وہی ہونے آزاد ہیں یاں
چمن کے جنھیں چہچہے یاد ہیں یاں
وہ شاید قفس ہی میں عمریں گنوائیں
گئیں بھول صحرا کی جن کو فضائیں

بلندی میں ہوں یا کہ پستی میں ہوں ہم   قوی ہوں کہ کمزور افزوں ہوں یا کم
محقر زمانے میں ہوں یا مکرم   موخر ہوں اس بزم میں یا مقدم
عبا میں ہوں پوشیدہ یا شال میں ہوں
کسی رنگ میں ہوں کسی حال میں ہوں

اگر باخبر ہیں حقیقت سے اپنی   تلف کی ہوئی اگلی عظمت سے اپنی
بلندی و پستی کی نسبت سے اپنی   گذشتہ اور آیندہ حالت سے اپنی
تو سمجھو کہ ہے پار کھیوا ہمارا
نہیں دور منجدھار سے کچھ کنارا

الپ ارسلاں سے یہ طغرل نے پوچھا   کہ قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
نشاں اُن کے اقبالمندی کے ہیں کیا   کب اقبالمند اُن کو کہنا ہے زیبا
کہا ملک و دولت ہو ہاتھ اُن کے جبتک
جہاں ہو کمربستہ ساتھ اُن کے جبتک

جہاں جائیں وہ سرخرو ہو کے جائیں   ظفر ہمعناں ہو جدھر باگ اٹھائیں
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں   نہ اکھڑیں قدم جس جگہ وہ جمائیں
کریں مس کو گر مس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہاتھ ڈالیں طلا ہو"

ولیعہد کی جب کہ باتیں سنیں یہ   ہنسا سن کے فرزانۂ دوربیں یہ
کہا "جان عم گپ ہے گو دلنشیں یہ   مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ

حوادث سے بن گذارا نہیں یاں
بلندی و پستی سے چارہ نہیں یاں

یہم ہے کبھی گاہ برہم ہے محفل
کٹھن ہے کبھی گاہ آساں ہے منزل
زمانہ کی گردش سے بچنا ہے مشکل
نہ محفوظ ہیں اس سے مدبر نہ مقبل

بہت یکہ تازوں کو یاں گھرتے دیکھا
سدا شہسواروں کو یاں گرتے دیکھا

جہاں سود ہے یاں وہیں ہے زیاں بھی
جہاں روشنی ہے وہیں ہے دھواں بھی
سفر بھی ہے یہ خاکداں اور جناں بھی
بہاریں بھی ہیں اس چمن میں خزاں بھی

نکھرتے ہیں جو یاں وہ گدلاتے بھی ہیں
چمکتے ہیں جو یاں وہ گھناتے بھی ہیں

ضعیف اور قوی ارمنی اور عراقی
چکھاتا ہے دردِ قدح سب کو ساقی
یہ اقبال کی ہے رمق جن میں باقی
یہ سب تلخیاں اُن کی ہیں اتفاقی

بلاؤں میں گھر کر نکل جاتے ہیں وہ
ذرا ڈگمگا کر سنبھل جاتے ہیں وہ

نہیں ہوتے نیرنگ گردوں سے حیراں
ہر اک درد کا ڈھونڈھ لیتے ہیں درماں
اُٹھاتے نہیں کچھ حوادث سے نقصاں
وہ چونک اُٹھتے ہیں دیکھ خواب پریشاں

بھڑکتے ہیں افسردہ ہو کر سوا وہ
کھبکتے ہیں پژمردہ ہو کر سوا وہ

پگھلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر لگاتے ہیں غوطہ اُچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لیکے چلنے کی خاطر وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر
سبب کو مرض سے سمجھتے ہیں پہلے
اُلجھتے ہیں پیچھے سُلجھتے ہیں پہلے

ضرورت نہیں یہ کہ فرمانروا ہوں رعیّت ہوں وہ خواہ کشورکشا ہوں
سپاہی ہوں، تاجر ہوں یا ناخدا ہوں وہ کچھ ہوں پہ اپنے سے واقف ذرا ہوں
کہ ہم کیا ہیں اور کون ہیں اور کہاں ہیں
گھٹے یا بڑھے ہیں سُبک یا گراں ہیں

جب آئے اُنھیں ہوش کچھ وقت کھو کر رہیں بیٹھ قسمت کو اپنی نہ رو کر
کریں کوششیں سب بہم ایک ہو کر رہیں داغ ذلّت کا دامن سے دھو کر
نہ ہو تاب پرواز گر آسماں تک
نہ واں تک اُڑیں ہو رسائی جہاں تک

پڑا ہے وہی وقت اب ہم پہ آ کر کہ اُٹھتے ہیں سوتے بہت دن چڑھا کر
سواروں نے کی راہ طے باگ اُٹھا کر گئے قافلے ٹھہر منزل پہ جا کر
گر افتاں و خیزاں سدھارے بھی اب ہم
تو پہنچے بھلا جا کے منزل پہ کب ہم

مگر بیٹھ رہنے سے چلنا ہے بہتر کہ ہے اہلِ ہمّت کا اللہ یاور
جو ٹھنڈک میں چلنا نہ آیا میسّر تو پہنچیں گے ہم دھوپ کھا کھا کے سر پر

یہ تکلیف و راحت ہے سب اتفاقی
چلو اب بھی ہے وقت چلنے کا باقی
ہوا کچھ وہی جس نے یاں کچھ کیا ہے
لیا جس نے پھل بیج بو کر لیا ہے
کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے
مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے
یونہیں وقت سو سو کے ہیں جو گنواتے
وہ خرگوش کچھووں سے ہیں زک اُٹھاتے
یہ برکت ہے دُنیا میں محنت کی ساری
جہاں دیکھئے فیض اِسی کا ہے جاری
یہی ہے کلیدِ درِ فضلِ باری
اِسی پہ ہے موقوف عزت تمھاری
اِسی سے ہے قوموں کی یاں آبرو سب
اِسی پہ ہیں مغرور مَیں اور تو سب
گلستاں میں جوبن گل و یاسمن کا
سماں زُلف سُنبل کی تاب و شکن کا
قدِ دلرُبا سروِ اور نارون کا
رُخ جانفزا لالۂ و نسترن کا
غریبوں کی محنت کی ہے رنگ و بو سب
کمیروں کے خوں سے ہیں یہ تازہ رو سب
ہلاتے نہ اگلے اگر دست و بازو
جہاں عطرِ حکمت سے ہوتا نہ خوشبو
نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو
نہ حق پھیلتا رُبع مسکوں میں ہر سو
حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے

ستارہ شریعت کا تاباں نہ ہوتا اثر علم دیں کا نمایاں نہ ہوتا
جُدا کفر سے نور ایماں نہ ہوتا مساجد میں یوں وردِ قرآں نہ ہوتا
خدا کی ثنا معبدوں میں نہ ہوتی
اذاں جا بجا مسجدوں میں نہ ہوتی

نہیں ملتی کوشش سے دُنیا ہی تنہا کہ ارکانِ دیں بھی اسی پر ہیں برپا
جنھیں ہو نہ دنیائے فانی کی پروا کریں آخرت کا ہی وہ کاش سودا
نہیں ملتے دنیا کی خاطر اگر تُم
تو لو دینِ حق کی ہی اُٹھ کر خبر تُم

بنی نوع میں دو طرح کے ہیں انساں تفاوت ہے حالت میں جن کی نمایاں
کچھ اُن میں ہیں راحت طلب اور تن آساں بدن کے نگہباں بستر کے درباں
نہ محنت پہ مائل نہ قدرت کے قائل
سمجھتے ہیں تنکے کو رستہ میں حائل

اگر ہیں تو انگر تو بے کار ہیں سب اپاہج ہیں روگی ہیں بیمار ہیں سب
تعیش کے ہاتھوں سے لاچار ہیں سب تن آسانیوں میں گرفتار ہیں سب
برابر ہے یاں اُن کا ہونا نہ ہونا
نہ کچھ جاگنا اُن کا بہتر نہ سونا

اگر ہیں تہی دست اور بے نوا وہ تو محنت سے ہیں جی چُراتے سدا وہ
نصیبوں کا کرتے ہیں اکثر گلا وہ ہلاتے نہیں کچھ مگر دست و پا وہ

اگر بھیک مل جائے قسمت سے اُن کو
تو سو بار بہتر ہے محنت سے اُن کو

نہ جو بے نوا ہیں نہ ہیں کچھ تو انگر — وہ ہیں ڈھور کی طرح قانع اِسی پر
کہ کھانے کو ملتا رہے پیٹ بھر کر — نہیں بڑھتے بس اِس سے آگے قدم بھر

ہوئے زیورِ آدمیت سے عاری
معطّل ہوئیں قوتیں اُن کی ساری

نہ ہمت، کہ محنت کی سختی اُٹھائیں — نہ جراَت، کہ خطروں کے میداں میں آئیں
نہ غیرت، کہ ذلّت سے پہلو بچائیں — نہ عبرت، کہ دُنیا کی سمجھیں ادائیں

نہ کل فکر تھا یہ کہ ہیں اس کے پھل کیا
نہ ہے آج پروا کہ ہونا ہے کل کیا

نہیں کرتے کھیتی میں وہ جانفشانی — نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
پہ جب یاس کرتی ہے دل پر گرانی — تو کہتے ہیں حق کی ہے نا مہربانی

نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں ہیچ ہیں سب یہ ساماں — کہ خود زندگی ہے کوئی دن کی مہماں
دھرے سب یہ رہ جائیں گے کاخ و ایواں — نہ باقی رہے گی حکومت نہ فرماں

ترقی اگر ہم نے کی بھی تو پھر کیا
یہ بازی اگر جیت لی بھی تو پھر کیا"

یہ سرگرم کوشش میں جو روز و شب ہیں اُٹھاتے سدا بارِ رنج و تعب ہیں
ترقی کے میداں میں سبقت طلب ہیں نمائش پہ دُنیا کے بھولے یہ سب ہیں
نہیں اُن کو کچھ اپنی محنت سے لہنا
بناتے ہیں وہ گھر نہیں جس میں رہنا

کبھی کرتے ہیں عقلِ انساں پہ نفریں کہ باوصف کوتاہ بینی ہے خودبیں
وہ تدبیریں اس طرح کرتے ہیں تلقیں کہ گویا کھُلا اُس پہ ہے سرِّ تکویں
مگر سب خیالات ہیں خام اُس کے
ادھورے ہیں جتنے ہیں یاں کام اُس کے

نہ اسبابِ راحت کی اُس کو خبر کچھ نہ آثارِ دولت کی اُس کو خبر کچھ
نہ عزت نہ ذلت کی اُس کو خبر کچھ نہ کلفت نہ راحت کی اُس کو خبر کچھ
نہ آگاہ اس سے کہ ہستی ہے شے کیا
نہ واقف کہ مقصودِ ہستی سے ہے کیا

کبھی کہتے ہیں زہر ہے مال و دولت اُٹھاتے ہیں جس کے لیے رنج و محنت
اسی سے گناہوں کی ہوتی ہے رغبت اسی سے دماغوں میں آتی ہے نخوت
یہی حق سے کرتی ہے بندوں کو غافل
ہوئے ہیں عذاب اس سے قوموں پہ نازل

کبھی کہتے ہیں سعی و کوشش سے حاصل کہ مقسوم بن کوششیں سب ہیں باطل
نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر زائل برابر ہیں یاں محنتی اور کاہل

ہلانے سے روزی کی گر ڈور ہلتی
تو روٹی نکموں کو ہرگز نہ ملتی

نکموں کے ہیں سب یہ دلکش ترانے — سُلانے کو قسمت کے رنگیں فسانے
اسی طرح کر کر کے حیلے بہانے — نہیں چاہتے دست و بازو ہلانے

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خُدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خُدا کی

سُنی تم نے یہ جس جماعت کی حالت — تنزّل کی بُنیاد ہے یہ جماعت
بگڑتی ہیں قومیں اِسی کی بدولت — ہوا اس کی ہے مُفسدِ ملک و ملّت

کیا صور و صیدا کو برباد اِسی نے
بگاڑا دمشق اور بغداد اِسی نے

جہاں ہے زمیں پر نحوست ہے اِنکی — جدھر ہے زمانے میں نکبت ہے اِنکی
مصیبت کا پیغام کثرت ہے اِنکی — تباہی کا لشکر جماعت ہے ان کی

وجود ان کا اصل البلیّات ہے یاں
خدا کا غضب ان کی بہتات ہے یاں

سب ایسے تن آسان و بیکار و کاہل — تمدن کے حق میں ہیں زہرِ ہلاہل
نہیں اِن سے کچھ نوعِ انساں کو حاصل — نہیں اِن کی صحبت، کہ ہے سمّ قاتل

یہ جب پھیلتے ہیں سمٹتی ہے دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

جہاں بڑھ گئی ان کی تعداد حد سے — ہوئی قوم محسوب سب دام و دد سے
رہا اُس کو بہرہ نہ حق کی مدد سے — وہ اب بچ نہیں سکتی نکبت کی زد سے
بچو ایسے شوموں کی پرچھائیوں سے
ڈرو ایسے چپ چاپ یغمائیوں سے

مگر اک فریق اور ان کے سوا ہے — شرف جس سے نوعِ بشر کو ملا ہے
سب اس بزم میں جن کا نور و ضیا ہے — سب اِس باغ کی جن سے نشو و نما ہے
ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر
بنے ہیں زمانے کی خدمت کی خاطر

نہ راحت طلب ہیں نہ مُہلت طلب وہ — لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ
نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ — بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ
وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

چُنیں گر نہ وہ ہوں کھنڈر کاخ و ایواں — بُنیں گر نہ وہ شاہ و کشور ہوں عُریاں
جو بوئیں نہ وہ تو ہوں جاندار بیجاں — جو چھانٹیں نہ وہ تو ہوں جنگل گلستاں
یہ چلتی ہے گاڑی اُنھیں کے سہارے
جو وہ کل سے بیٹھیں تو بیکل ہوں سارے

کھپاتے ہیں کوشش سے تاب و تواں کو — گھلاتے ہیں محنت میں جسم و رواں کو
سمجھتے نہیں اس میں جاں اپنی جاں کو — وہ مر مر کے رکھتے ہیں زندہ جہاں کو

بس اس طرح جینا عبادت ہے اُن کی
اور اِس دُھن میں مرنا شہادت ہے اُن کی

مشقت میں عمر اُن کی کٹتی ہے ساری   نہیں آتی آرام کی اُن کی باری
سدا بھاگ دوڑ اُن کی رہتی ہے جاری   نہ آندھی میں عاجز نہ مینھ میں ہیں عاری
نہ لُو جیٹھ کی دم ترٹاتی ہے اُن کا
نہ پھِر ماہ کی جی چھڑاتی ہے اُن کا

نہ احباب کی تیغ احساں سے گھائل   نہ بیٹے سے طالب نہ بھائی سے سائل
نہ دُکھ درد میں موسے آرام مائل   نہ دریا و کوہ اُن کے رستے میں حائل
سُنے ہوں کبھی رستم و سام جیسے
غیور اب بھی لاکھوں ہیں گمنام ویسے

کسی کو یہ دُھن ہے کہ جو کچھ کمائیں   کھلائیں کچھ اوروں کو کچھ آپ کھائیں
کسی کو یہ کد ہے کہ جھیلیں بلائیں   یہ احساں کسی کا نہ ہرگز اُٹھائیں
کوئی محو ہے فکر فرزند و زن میں
کوئی چُور ہے حُبِّ اہل وطن میں

جو مصروف ہے کشتکاری میں کوئی   تو مشغول دُکان داری میں کوئی
عزیزوں کی ہے غمگساری میں کوئی   ضعیفوں کی خدمت گذاری میں کوئی
یہ ہے اپنی راحت کے سامان کرتا
وہ کنبے پہ ہے جان قربان کرتا

کوئی اس تگ و دو میں رہتا ہے ہر دم
کہ دولت جہاں تک ہو کیجے فراہم
رہیں جیتے جی تا کہ خود شاد و خرم
مریں جب تو دل پر نہ لیجائیں یہ غم

کہ بعد اپنے کھائیں گے فرزند و زن کیا
لباس اُن کا اور اپنا ہوگا کفن کیا

بہت دل میں اپنے یہ رکھتے ہیں ارماں
کہ کر جائیں یاں کوئی کارِ نمایاں
وہ ہوں تا کہ جب چشمِ عالم سے پنہاں
تو ذکرِ جمیل اُن کا باقی رہے یاں

یہی طالبِ شہرت و نام لاکھوں
بناتے ہیں جمہور کے کام لاکھوں

بہت مخلص اور پاک بندے خدا کے
نشاں جن سے قائم ہیں صدق و صفا کے
نہ شہرت کے خواہاں نہ طالب ثنا کے
نمائش سے بیزار دشمن ریا کے

ریاضت سب اُن کی خدا کے لیے ہے
مشقت سب اُس کی رضا کے لیے ہے

کوئی اُن میں سے حق کی طاعت پہ مفتوں
کوئی نام حق کی اشاعت پہ مفتوں
کوئی زہد و صبر و قناعت پہ مفتوں
کوئی پند و وعظ جماعت پہ مفتوں

کوئی موج سے آپ کو ہے بچاتا
کوئی ناؤ ہے ڈوبتوں کی ترا تا

بہت نوع انساں کے غمخوار و یاور
ہواخواہ ملت بہ اندیش کشور
شدائد کے دریائے خوں میں شناور
جہاں کے پُر آشوب کشتی کے لنگر

ہر اک قوم کی ہست و بود اں سے ہے یاں
سب اس انجمن کی نمود اِن سے ہے یاں

کسی پر ہو سختی صعوبت ہے اِن پر
کسی پر ہو غم رنج و کلفت ہے اِن پر

کہیں ہو فلاکت مصیبت ہے اِن پر
کہیں آئے آفت قیامت ہے اِن پر

کسی پر چلیں تیر آماج یہ ہیں
لُٹے کوئی رہگیر تاراج یہ ہیں

یہ ہیں حشر تک بات پر اَڑنے والے
یہ پیماں کو میخوں سے ہیں جڑنے والے

یہ فوجِ حوادث سے ہیں لڑنے والے
یہ غیروں کی ہیں آگ میں پڑنے والے

اُمنڈتا ہے رُکنے سے اور اِن کا دریا
جُنوں سے زیادہ ہے کچھ اِن کا سودا

جماتے ہیں جب پاؤں ہٹتے نہیں یہ
بڑھا کر قدم پھر پلٹتے نہیں یہ

گئے پھیل جب پھر سمٹتے نہیں یہ
جہاں بڑھ گئے بڑھ کے گھٹتے نہیں یہ

مُہم بن گئے سر نہیں پھیرتے یہ
جب اُٹھتے ہیں اُٹھ کر نہیں بیٹھتے یہ

خدا نے عطا کی ہے جو ان کو قوت
سمائی ہے دل میں بہت اُس کی عظمت

نہیں پھیرتی اُن کا مُنہ کوئی زحمت
نہیں کرتی زیر اُن کو کوئی صعوبت

بھروسے یہ اپنے دل و دست و پا کے
سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خُدا کے

نہیں مرحلہ کوئی دشوار اُن کو　　ہر اک راہ ملتی ہے ہموار اُن کو
گلستاں ہے صحرائے پُرخار اُن کو　　برابر ہے میدان و کہسار اُن کو
نہیں حائل اُن کے کوئی رہ گذر میں
سمندر ہے پایاب اُن کی نظر میں

اسی طرح یاں اہل ہمّت ہیں جتنے　　کمر بستہ ہیں کام پر اپنے اپنے
جہاں کی ہے سب دھوم دھام اُنکے دم سے　　فقیر اور غنی سب طفیلی ہیں اُن کے
بغیر اِن کے بے سازوساماں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس

زمیں سب خدا کی ہے گلزار انھیں سے　　زمانے کا ہے گرم بازار انھیں سے
ملے ہیں سعادت کے آثار انھیں سے　　کھلے ہیں خدائی کے اسرار انھیں سے
انھیں پر ہے کچھ فخر گر ہے کسی کو
انھیں سے ہے گر ہے شرف آدمی کو

انھیں سے ہے آباد ہر ملک و دولت　　انھیں سے ہے سرسبز ہر قوم و ملّت
انھیں پر ہے موقوف قوموں کی عزّت　　انھیں کی ہے سب رُبع مسکوں میں برکت
دم ان کا ہے دُنیا میں رحمت خدا کی
انھیں کو ہے پھبتی خلافت خدا کی

انھیں کا اُجالا ہے ہر رہ گذر میں　　انھیں کی ہے یہ روشنی دشت و در میں
انھیں کا ظہورا ہے سب خشک و تر میں　　انھیں کے کرشمے ہیں سب بحر و بر میں

انھیں سے یہ رُتبہ ہے آدم نے پایا
کہ سر اُس سے روحانیوں نے جھکایا

ہر اک ملک میں خیر و برکت ہے اِن سے — ہر اک قوم کی شان و شوکت ہے اِن سے
نجابت ہے اِن سے شرافت ہے اِن سے — شرف اِن سے، فخر اِن سے، عزّت ہے اِن سے

جفاکش بنو گر ہو عزّت کے خواہاں
کہ عزّت کا ہے بھید ذلّت میں پنہاں

مشقّت کی ذلّت جنھوں نے اُٹھائی — جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اِس کے ہرگز نہ پائی — فضیلت نہ عزّت نہ فرماں روائی

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

حکومت ملی اُن کو صفّار تھے جو — امامت کو پہنچے وہ قصّار تھے جو
وہ قطبِ زماں ٹھہرے عطّار تھے جو — بنے مرجعِ خلق نجّار تھے جو

اولوالفضل یاں اُٹھے سرّاج کتنے
اولوالوقت ہو گزرے حلّاج کتنے

نہ بونصر تھا نوع میں ہم سے بالا — نہ تھا بوعلی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا — ہوئے اس لئے صاحبِ قدر والا

اگر فکر کسبِ ہنر تم کو بھی ہو
تمھیں پھر ابونصر اور بوعلی ہو

بڑا ظلم اپنے پہ تم نے کیا ہے　　کہ عزت کی یاں جس ستوں پر بنا ہے
ترقی کی منزل کا جو رہنما ہے　　تنزل کی کشتی کا جو ناخدا ہے
قوی پشت تھیں جس سے پشتیں تمھاری
ہوئی دست بردار قوم اُس سے ساری

ہنر ہے نہ تم میں فضیلت ہے باقی　　نہ علم و ادب ہے نہ حکمت ہے باقی
نہ منطق ہے باقی نہ ہیئت ہے باقی　　اگر ہے تو کچھ قابلیت ہے باقی
اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں دیکھو
پھر اُکسا دو اس ٹمٹماتے دیے کو

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی　　خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی
اگر جیتے جی کچھ نہ ان کی خبر لی　　تو ہو جائیں گے مل کے مٹی میں مٹی
یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی
مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

یہی نوجواں پھرتے آزاد جو ہیں　　کمینوں کی صحبت میں برباد جو ہیں
شریفوں کی کہلاتے اولاد جو ہیں　　مگر ننگ آبا و اجداد جو ہیں
اگر نقد فرصت نہ یوں مفت کھوتے
یہی فخر آبا و اجداد ہوتے

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم و جاہل　　بہت ان میں ہیں جن کے جوہر ہیں قابل
رذائل میں پنہاں ہیں اِن کے فضائل　　انھیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل

نہ ہوتے اگر مائل لہو و بازی
ہزاروں انھیں میں تھے طوسی و رازی

یہی قوم ہے جس میں قحط آدمی کا
جہاں شور رہے ہر طرف ناکسی کا
نہیں جہل میں جس کے حصّہ کسی کا
کبھی علم و فن پر تھا قبضہ اسی کا
وہ تھیں برکتیں سعی و کوشش کی ساری
وہی خوں ہے ورنہ رگوں میں ہماری

حکومت سے مایوس تم ہو چکے ہو
زر و مال سے ہاتھ تم دھو چکے ہو
دلیری کو ڈھک ڈھک کے مُنہ رو چکے ہو
بزرگی بزرگوں کی سب کھو چکے ہو
مدار اب فقط علم پر ہے شرف کا
کہ باقی ہے ترکہ یہی اک سلف کا

ہمیشہ سے جو کہتے آئے ہیں سب یاں
کہ ہے علم سرمایۂ فخر انساں
عرب اور عجم ہند اور مصر و یوناں
رہا اتفاق اس پہ قوموں کا یکساں
یہ دعویٰ تھا اک جس پہ حُجّت نہ تھی کچھ
کھُلی اُس پہ اب تک شہادت نہ تھی کچھ

جو اہر تھا اک سب کی نظروں میں بھاری
پرکھنے کی جس کی نہ آئی تھی باری
فضائل تھے سب علم کے اعتباری
نہ تھیں طاقتیں اس کی معلوم ساری
پر اب بحر و بر دے رہے ہیں گواہی
کہ ہے علم میں زور دستِ الٰہی

کیا کوہساروں کو مسمار اس نے بنایا سمندر کو بازار اس نے
زمینوں کو منوایا دوّار اس نے ثوابت کو ٹھہرایا سیّار اس نے
لیا بھاپ سے کام لشکر کشی کا
دیا پتلیوں کو سکت آدمی کا

یہ پتھر کا ایندھن ہے جلوانے والا جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا
صداؤں کو سانچے میں ڈھلوانے والا زمیں کے خزانے اُگلوانے والا
یہی برق کو نامہ بر ہے بناتا
یہی آدمی کو ہے بے پر اُڑاتا

تمدن کے ایواں کا معمار ہے یہ ترقی کے لشکر کا سالار ہے یہ
کہیں دستکاروں کا اوزار ہے یہ کہیں جنگجویوں کا ہتھیار ہے یہ
دکھایا ہے نیچا دلیروں کو اس نے
بنایا ہے روباہ شیروں کو اس نے

اسی کی ہے اب چار سو حکمرانی کیے اس نے زیر ارمنی اور ریانی
ہوئے رام دیوان ماژندرانی گئے زابلی بھول سب پہلوانی
ہوا اس کی طاقت سے تسخیر عالم
پڑے سامنے اس کے جو کس نہ دم نیلم

یہ لاکھوں پہ ہے سیکڑوں کو چڑھاتا سواروں کو پیادوں سے ہے زک دلاتا
جہازوں سے ہے زورقوں کو بھڑاتا حصاروں کو ہے چٹکیوں میں اُڑاتا

ہوا کوئی حربوں سے اُس کے نہ سر بر
نہ ٹھہری زرہ اُس کے آگے نہ بکتر

جنھوں نے بنایا اُسے اپنا یاور — ہر اک راہ میں اُس کو ٹھہرایا رہبر
نہ قول آجکل صادق آتا ہے اُن پر — کہ اک نوع ہے نوعِ انساں سے برتر
الگ سب سے کام کے اور طور ہیں کچھ
اگر سب ہیں انساں تو وہ اور ہیں کچھ

بہت اُن کو معجز نما جانتے ہیں — بہت دیوتا اُن کو گردانتے ہیں
یہ جو ٹھیک ٹھیک اُن کو پہچانتے ہیں — یہ اتنا مقرر اُنھیں مانتے ہیں
کہ دُنیا نے جو کی تھی اب تک کمائی
وہ سب جزو وکُل اُن کے حصّہ میں آئی

کیا علم نے اُن کو ہر فن میں یکتا — نہ ہمسر رہا کوئی اُن کا نہ ہمتا
ہر اک چیز اُن کی ہر اک کام اُن کا — سمجھ بوجھ سے ہے زمانہ کی بالا
صنائع کو سب اُن کے تکتے ہیں ایسے
عجائب میں قدرت کے حیراں ہوں جیسے

دیے علم نے کھول اُن پر خزانے — چھپے اور ظاہر نئے اور پُرانے
بتائے اُنھیں غیب کے مال خانے — دکھائے فتوحات کے سب ٹھکانے
ہوا جیسے چھائی ہے سب بحر و بر پر
وہ یوں چھا گئے خاور اور باختر پر

یہ سچ ہے کہ ہے اصل تعلیم دولت رہی ہے سدا پُشتِ حکمت حکومت
ہوئی سلطنت جن کی دُنیا سے رخصت نہ علم اُن سے باقی رہا اور نہ حکمت
نہ یونان محکوم ہو کر رہا کچھ
نہ ایران تاج اپنا کھو کر رہا کچھ

یہ اک خار کش صبر و ہمت میں کامل یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل
کہ جن سختیوں کا اُٹھانا ہے مشکل وہی ہیں کچھ اے دل اُٹھانے کے قابل
حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اُٹھانا ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا
زمانہ اگر ہم سے زور آزما ہے
تو وقت اے عزیزو یہی زور کا ہے

کرو یاد اپنے بزرگوں کی حالت شدائد میں جو ہارتے تھے نہ ہمت
اُٹھاتے تھے برسوں سفر کی مشقت غریبی میں کرتے تھے کسبِ فضیلت
جہاں کھوج پاتے تھے علم و ہنر کا
نکل گھر سے لیتے تھے رستہ اِدھر کا

عراقین و شامات و خوارزم و توراں جہاں جنسِ تعلیم سُنتے تھے ارزاں
وہیں پے سپر کر کے کوہ و بیاباں پہنچتے تھے طلاب افتاں و خیزاں

جہاں تک عمل دینِ اسلام کا تھا
ہر اک راہ میں اُن کا تانتا بندھا تھا

نظامیّہ نوریّہ مستنصریّہ   نفیسیّہ ستّیّہ اور صاحبیّہ
رواحیّہ عزّیّہ اور قاہریّہ   عزیزیّہ زنلیسیّہ اور ناصریّہ

یہ کالج تھے مرکز سب آفاقیوں کے
حجازی و کرُدی و قبچاقیوں کے

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے   جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے   کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

بہت خوان بے اشتہا تم نے کھائے   بہت بوجھ بندھ بندھ کے تم نے اُٹھائے
بہت آس پر ساز کے راگ گائے   بہت عارضی تم نے جلوے دکھائے

بس اب اپنی گردن پہ رکھو جُوا تم
کرو حاجتیں آپ اپنی روا تم

تمھیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے   تمھیں درد کا اپنے درماں کرو گے
تمھیں اپنی منزل کا ساماں کرو گے   کرو گے تمھیں کچھ اگر یاں کرو گے

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

سراسر ہو گو سلطنت فیض گستر　　رعیّت کی خود تربیت میں ہو یاور
مگر کوئی حالت نہیں اس سے بدتر　　کہ ہر بوجھ ہو قوم کا سلطنت پر
ہو اس طرح ہاتھوں میں اُس کے رعیّت
کہ قبضہ میں غسّال کے جیسے میّت

وہی گر تجارت کے اُس کو سجھائے　　وہی صنعت اور حرفت اُس کو بتائے
وہی کشتکاری کے آئیں سکھائے　　وہی اُس کو لکھوائے وہ ہی پڑھائے
مِلا جس رعیّت کو ایسا سہارا
کیا آدمیّت نے اُس سے کنارا

یہی سلطنت کی ہے کافی اعانت　　کہ ہو مُلک میں امن اُسکی بدولت
نفوس اور اموال کی ہو حفاظت　　حکومت میں ہو اعتدال اور عدالت
نہ تورا رعیّت پہ بیجا ہو کوئی
نہ قانون چھٹ کارفرما ہو کوئی

جہاں ہو یہ اندازِ فرمانروائی　　رعیّت کی ہے واں نپٹ بیحیائی
کہ ہر کام میں آس ڈھونڈھے پرائی　　کرے آپ اپنی نہ مشکل کشائی
کھڑا ہو سہارے اک اڑوار کے گھر
ہٹی وہ جہاں آرہے یہ زمیں پر

گیا اب وہ دل تنگیوں کا زمانا　　کہ اپنوں کا حصّہ تھا پڑھنا پڑھانا
برہمن کا بیٹے اگر شُد ربانا　　تو اُس پر نہیں کوئی اب تازیانا

ہوئے برطرف سب نشیب و فراز اب
سفید و سیہ میں نہیں امتیاز اب

بس اب وقت کا حکمِ ناطق یہی ہے — کہ جو کچھ ہے دنیا میں تعلیم ہی ہے
یہی آجکل اصل فرماندہی ہے — اسی میں چھپا سرِ شاہنشہی ہے

ملی ہے یہ طاقت اِسی کیمیا کو
کہ کرتی ہے یہ ایک شاہ و گدا کو

سکھاتی ہے محکوم کو یہ اطاعت — سُجھاتی ہے حاکم کو راہِ عدالت
دلوں سے مٹاتی ہے نقشِ عداوت — جہاں سے اُٹھاتی ہے رسمِ بغاوت

یہی ہے رعیّت کو حقدار کرتی
یہی ہے کہ دمسہ کو ہموار کرتی

سُنی ہے غریبوں کی فریاد اِسی نے — کیا ہے غلامی کو برباد اِسی نے
ریپبلک کی ڈالی ہے بُنیاد اِسی نے — بنایا ہے پبلک کو آزاد اِسی نے

مقید بھی کرتی ہے یہ اور رہا بھی
بناتی ہے آزاد بھی باوفا بھی

تجارت نے رونق ہے یہ اِس سے پائی — کہ ہیچ اس کے آگے ہے فرمانروائی
فلاحت کی یہ منزلت ہے بڑھائی — کہ فلاح کرتے ہیں معجز نمائی

ترقی یہ صنعت کو دی ہے بلا کی
کہ ہوتی ہے معلوم قدرت خدا کی

یہ نااتفاقی ہے قوموں سے کھوتی / یہ قومی محبت کا ہے بیج بوتی
یہ آپس کے کینے دلوں سے ہے دھوتی / یہ دانے ہیں سب ایک لڑی میں پروتی
یہ نقطوں پہ خط کی طرح ہے گذرتی
کروڑوں دلوں کو ہے یہ ایک کرتی

جہاں یہ نہیں واں نہ قوم اور نہ ملت / نہ ملکی حمایت نہ قومی حمیت
جدا سب کے رنج اور جدا سب کی راحت / الگ سب کی ذلت الگ سب کی عزت
خبر واں نہیں یہ کہ ہے قوم شے کیا
چھپا سر حق اس تعلق میں ہے کیا

جنھوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت / نہ جانی مسلط ہوئی اُن پہ ذلت
ملوک اور سلاطیں نے کھوئی حکومت / گھرانوں پہ چھائی امیروں کی نکبت
رہے خاندانی نہ عزت کے قابل
ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل

نہ چلتے ہیں واں کام کاریگروں کے / نہ برکت ہے پیشہ میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سوداگروں کے / ہوئے بند دروازے اکثر گھروں کے
کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے
وہ ہیں اب دھرے ہات پر ہات بیٹھے

ہنر اور فن واں ہیں سب گھٹتے جاتے / ہنرمند ہیں روز و شب گھٹتے جاتے
ادیبوں کے فضل و ادب گھٹتے جاتے / طبیب اور اُن کے مطب گھٹتے جاتے

ہوئے پست سب فلسفی اور مناظر
نہ ناظم ہیں سرسبز اُن کے نہ ناثر

اگر اک پہننے کو ٹوپی بنائیں تو کپڑا وہ اک اور دُنیا سے لائیں
جو سینے کو وہ ایک سوئی منگائیں تو مشرق سے مغرب میں لینے کو جائیں

ہر اک شے میں غیروں کے محتاج ہیں وہ
مکینکس کی رَد میں تاراج ہیں وہ

نہ پاس اُن کے چادر نہ بستر ہے گھر کا نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہے گھر کا صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا

کنول مجلسوں میں قلم دفتروں میں
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھروں میں

جو مغرب سے آئے نہ مالِ تجارت تو مر جائیں بھوکے وہاں اہلِ حرفت
ہو تجار پر بند راہِ معیشت دُکانوں میں ڈھونڈھی نہ پائے بضاعت

پرائے سہارے ہیں بیوپار واں سب
طفیلی ہیں سیٹھ اور تجار واں سب

یہ ہیں ترک تعلیم کی سب سزائیں وہ کاش اب بھی غفلت سے باز آئیں
مبادا رہِ عافیت پھر نہ پائیں کہیں بے پناہ آنے والی بلائیں

ہوا بڑھتی جاتی ہے سر رہ گذر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

لئے فردِ بخششِ دوراں کھڑا ہے ہر اک فوج کا جائزہ لے رہا ہے
جنھیں ماہر اور کرتی دیکھتا ہے انھیں بخشتا تیغ و طبل و لوا ہے
یہ ہیں سب بے ہنر یک قلم چھٹتے جاتے
رسالوں سے نام اُن کے ہیں کٹتے جاتے

بس اب علم و فن کے وہ پھیلاؤ ساماں کہ بسلیں تمھاری نہیں جن سے انساں
غریبوں کو راہِ ترقی ہو آساں امیروں میں ہو نورِ تعلیم تاباں
کوئی اُن میں دنیا کی عزت کو تھامے
کوئی کشتیِ دین و ملت کو تھامے

بنے قوم کھانے کمانے کے قابل زمانے میں ہو منہ دکھانے کے قابل
تمدن کی مجلس میں آنے کے قابل خطابِ آدمیت کا پانے کے قابل
سمجھنے لگیں اپنے سب نیک و بد وہ
لگیں کرنے آپ اپنی اپنی مدد وہ

کرو قدر اُن کی ہنر جن میں پاؤ ترقی کی اور اُن کو رغبت دلاؤ
دل اور حوصلے اُن کے مل کر بڑھاؤ سُتوں اس کھنڈر گھر کے ایسے بناؤ
کوئی قوم کی جن سے خدمت بن آئے
بٹھائیں انھیں سر پہ اپنے پرائے

کرو گے اگر ایسے لوگوں کی عزت تو پاؤ گے اپنے میں تم اک جماعت،
بڑھائیگی جو قوم کی شان و شوکت گھرانوں میں پھیلائیگی خیر و برکت،

مدد جس قدر آج وہ تم سے لے گی
عوض تم کو کل اُس کا دو چند دے گی

ترقی کے یوناں کے اسباب کیا تھے — ہنر جہاں پیر و برنا فدا تھے
تمدن کے میداں میں زور آزما تھے — وطن کی محبت میں سر فدا تھے
مقاصد بڑے اور ارادے تھے عالی
نہ تھا اس سے چھوٹا بڑا کوئی خالی

سبب کچھ نہ تھا اِس کا بجز قدر دانی — کہ ہوتے تھے جو علم و حکمت کے بانی
ترقی میں کرتے تھے جو جانفشانی — حیات اُن کو ملتی تھی جاودانی
وطن جیتے جی اُن پہ قرباں تھا سارا
پس از مرگ پجتے تھے وہ آشکارا

اِسی گُر نے تھا جوش سب کو دلایا — کہ تھا اک جزیرہ نے رُتبہ یہ پایا
اسی شوق نے تھا دلوں کو بڑھایا — اسی نے تھا یوناں کو یوناں بنایا
اِس اُمید پہ کوششیں تھیں یہ ساری
کہ ہو قوم کے دل میں عظمت ہماری

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو وقعت — جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں تھامنی ہو گھرانے کی عزت — جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلت
جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
اُنھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

بہت دل ہیں نرم اندنوں ہوتے جاتے
کہ حالت پہ ہیں قوم کی اُمڈے آتے
تنزّل پہ ہیں اُس کے آنسو بہاتے
نہیں آپ کچھ کر کے لیکن دکھاتے
خبر بھی ہے دل اُن کے جلتے ہیں کس پر
وہ ہیں آپ ہی ہات ملتے ہیں جس پر

رئیسوں کی جاگیر داروں کی دولت
فقیہوں کی دانشوروں کی فضیلت
بزرگوں کی اور واعظوں کی نصیحت
ادیبوں کی اور شاعروں کی فصاحت
جچے تب کچھ آنکھوں میں اہل وطن کی
جو کام آئے بہبود میں انجمن کی

جماعت کی عزّت میں ہے سب کی عزت
جماعت کی ذلت میں ہے سب کی ذلّت
رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت
نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت
وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی
ہری ہو گی جڑ اس گلستاں میں جس کی

ذخیرہ ہے جب چیونٹا کوئی پاتا
تو بھاگا جماعت میں ہے اپنے آتا
انھیں ساتھ لے لیکے ہے یاں سے جاتا
فتوح اپنی ایک ایک کو ہے دکھاتا
سدا اُن کے ہیں اس طرح کام چلتے
کمائی سے اک اک کی لاکھوں ہیں پلتے

جب اک چیونٹا جس میں دانش نہ حکمت
بنی نوع کی اپنے برلائے حاجت
معیشت سے اک اک کو بخشے فراغت
کرے اُن پہ وقف اپنی ساری غنیمت

تو اس سے زیادہ ہے بے غیرتی کیا
کہ ہو آدمی کو نہ پاس آدمی کا

غضب ہے کہ جو نوع ہو سب سے بدتر — گنے آپ کو جو کہ عالم کا سرور
فرشتوں سے جو سمجھے اپنے کو بڑھ کر — خدا کا بنے جو کہ دنیا میں مظہر
نہ ہو مردمی کا نشاں اُس میں اتنا
مسلّم ہے مٹّی کے کیڑوں میں جتنا

الٰہی بحقِ رسولِ تہامی — ہر اک فردِ انساں کا تھا جو کہ حامی
جسے دور و نزدیک تھے سب گرامی — برابر تھے کمّی و زنگی و شامی
شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا
بڑوں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا

طفیل اُس کا اور اُس کی عترت کا یارب — پکڑ ہاتھ جلد اُس کی اُمت کا یارب
اک ابر اُس پہ بھیج اپنی رحمت کا یارب — غبار اُس سے جو دھووے ذلّت کا یارب
کہ ملّت کو ہے ننگ ہستی سے اُس کے
ہوا پست، اسلام پستی سے اُس کے

اُنھیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے — ذرا اِن کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دے
کمیں گاہِ بازیِ دوراں دکھا دے — جو ہونا ہے کل آج اُن کو سُجھا دے
چھتیں پاٹ لیں تاکہ باراں سے پہلے
سفینہ بنا رکھیں طوفاں سے پہلے

بچا ان کو اُس نگہائے بلا سے　　کہ رستہ ہو گم رہرو و رہنما سے
نہ اُمید یاری ہو یار آشنا سے　　نہ چشم اعانت ہو دست و عصا سے

چپ و راست چھائی ہوئی ظلمتیں ہوں
دلوں میں اُمیدوں کی جا حسرتیں ہوں

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپا